الفرقان بکڈپو لکھنؤ

''۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ سے لے کر اس دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام (حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی) کی ـــ جس کی اور فضیلتیں برطرف، اس کی شہادت مسلّم اور شہداء کی مغفرت مسلّم ـ تکفیر و تضلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت و سبّ و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو ـ فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی ہو وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمنِ اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد شاگرد بتایا گیا اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لئے ایک پھانس بھی نہیں چبھی ـ جن کے پیروں میں اللہ کے راستے میں کوئی کانٹا نہیں گڑا ـ جن کو خون چھوڑ کر (کہ اس کا ان کے یہاں کیا ذکر) اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی، اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں و بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لئے اُس نے اپنا سر کٹایا ـ تو کیا اُس کا یہی گناہ تھا؟ اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اُس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہ تھی، اس وقت یہ غیرت ایمانی و حمیت اسلامی والے جو ایک ''کلمۂ کفر'' برداشت نہیں کر سکتے کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہؒ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں ـــ؟''(۱)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

---

(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ طبع دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

ان سطور کے اکثر ناظرین اس حقیقت سے غالباً ناواقف نہ ہوں گے کہ ہندوستان میں مشرکانہ خیالات اور جاہلی رسوم و بدعات کے خلاف جہاد کرنے میں جس طرح حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا ایک خاص مقام ہے جہاں صرف وہی کھڑے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اس ملک کے حامیان شرک و بدعت کی افتراء پردازیوں اور ظالمانہ زبان درازیوں کا نشانہ بھی سب سے زیادہ وہی بنے ہیں۔

مشرکانہ خیالات اور جاہلی رسوم و بدعات کی ''عالمانہ'' حمایت کرنے والے بریلی و بدایوں کے مولوی صاحبان اور ان کے ہمنواؤں کی ان سب چھوٹی بڑی کتابوں کا اگر صرف ایک ایک نسخہ بھی جمع کیا جائے جن میں شاہ ولی اللہؒ کے اس مجاہد شہید پوتے کو کافر اور دشمنِ خدا اور رسول، دشمنِ اسلام اور دشمنِ اولیاء کرام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو بلاشبہ ایک اچھا خاصا کتب خانہ ہو جائے گا۔ حد یہ ہے کہ تنہا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے ان چھوٹے بڑے رسالوں کی تعداد دو تین سو سے کم نہ ہو گی جن میں شہید مظلوم پر تکفیر و تبرا بازی کی مشق کر کے اس فن میں اپنی بے نظیر مہارت اور ناخدا ترسی کا نمونہ دکھایا گیا ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۝

قریب ہے یارو روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

اب سے قریباً ۲۴ سال پہلے جب رسالہ "الفرقان" بریلی سے جاری ہوا تھا تو مسلمانوں میں رواج پائی ہوئی مشرکانہ رسوم وبدعات کی تردید وبیخ کنی اور توحید وسنت کی اشاعت وحفاظت اور علماء اہلِ سنت کے خلاف پھیلائے ہوئے اہلِ بدعت کے اعتراضات وافتراآت کی جواب دہی اور مدافعت اس کا خاص موضوع تھا۔ اور ارشاد خداوندی وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی تعمیل میں یہ عاجز اپنے ربِ کریم کے اس فضل واحسان کا اظہار کرتے ہوئے آج بھی مسرت محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عاجز بندہ سے یہ خدمت اس طرح لے لی کہ اس سلسلہ کی ہر وہ بحث علمی طور پر الحمد للہ ختم ہوگئی جو "الفرقان" کے صفحات پر کردی گئی۔ حجت حق تمام ہوئی۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝

۱۳۵۵ھ میں اہلِ بدعت کے ان مشہور اعتراضات وافتراآت کی تردید اور جواب دہی کا ایک سلسلہ "الفرقان" میں شروع کیا گیا تھا جو حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی بعض عبارات پر کئے جاتے ہیں، اور ان کے ناخدا ترس

اور پیشہ ور مقررین سب سے زیادہ اچھالتے ہیں، یہ سلسلہ "الفرقان" میں پورے ایک سال تک جاری رہا تھا، اس وقت ارادہ تھا کہ مکمل ہو جانے پر اس پورے سلسلہ مضامین کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے گا۔ لیکن ان اسباب و حالات کی وجہ سے جن کی تفصیل میں اپنے ایک مقالہ (۱) بریلی کا تکفیری فتنہ۔ ماضی اور حال۔ میں کر چکا ہوں اس کی نوبت نہ آ سکی۔ اب طویل مدت بعد وہ پورا سلسلہ اس چھوٹی سی کتاب کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے، بلکہ اس میں ایک مستقل بحث کا اضافہ بھی کیا گیا ہے جس کے بغیر یہ سلسلہ نامکمل رہ جاتا، وہ "الفرقان" میں اس وقت شائع نہیں ہو سکی تھی، نیز اس کتابی اشاعت کے لئے کاتب کو دینے سے پہلے پورے سلسلہ پر اس عاجز نے نظر ثانی بھی کی ہے اور جہاں کہیں الفاظ میں کچھ زیادہ سختی اور تلخی محسوس ہوئی وہاں ترمیم بھی کر دی ہے۔ اس کے باوجود اگر کہیں سختی اور تلخی ہو تو ناظرین کرام موضوع اور مخاطبین کی خصوصیت کو ملحوظ اور اس واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہ اب سے ۲۲، ۲۳ سال پہلے کی تحریر ہے معذور تصور فرمائیں۔

ملحوظ رہے کہ اس رسالہ میں اہلِ بدعت کے صرف اُن اعتراضات اور افترا آت کا جواب دیا گیا ہے اور حضرت شہیدؒ کی صرف اُن عبارات کی توضیح کی گئی ہے، جن کے بارے میں یہ محسوس کیا گیا کہ اہل بدعت کی پُر تزویر باتوں سے

---

(۱) یہ مقالہ ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ کے "الفرقان" میں شائع ہونے کے بعد رسالہ "معرکۃ القلم" معروف بہ "فیصلہ کن مناظرہ" کے مقدمے کے طور پر اس کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

متاثر ہو کر کوئی سادہ لوح بندہ ان کے بارے میں شبہ اور مغالطہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے اعتراضات وافتراآت حضرت شہیدؒ کے متعلق ان ناخداترسوں کے ایسے بھی ہیں جن کی لغویت ایک سادہ لوح آدمی بھی معمولی غور فکر سے سمجھ سکتا ہے، ان پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کتاب کی تالیف واشاعت دراصل مسلک توحید کی خدمت وحمایت اور راہ خدا میں شہید ہونے والے ایک مرد مومن کی نصرت ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کے لئے نافع بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

لکھنؤ

۱۵ رشوال المکرم ۱۳۷۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات" کا نیا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے توحید و سنت کی اشاعت و حفاظت اور علماء اہل سنت کے خلاف پھیلائے ہوئے اہل بدعت کے اعتراضات والزامات کی جواب دہی اور مدافعت کا ادارہ الفرقان سے خوب کام لیا ہے۔ خاص طور پر والد ماجد علیہ الرحمۃ سے اس سلسلہ کی عظیم خدمات لی ہیں۔ یہ چھوٹی سی کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اب سے تقریباً پچاس سال قبل اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا۔ اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس نئے ایڈیشن کی کتابت کمپیوٹر کے ذریعہ کرائی گئی ہے۔ اور آفسیٹ کی معیاری طباعت کے ساتھ دیدہ زیب کور سے مزین ہے۔

اللہ تعالیٰ مصنف مرحوم کی اس خدمتِ دین و نصرتِ مردِ مومن کو قبول فرمائے اور اُن کے لئے درجات میں بلندی کا باعث بھی ـــــ (آمین)

العارض

محمد حسان نعمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

اشد النا س بلاء الانبیاء ثم الامثل فا لامثل

''سب سے زیادہ مبتلائے مصائب انبیاء علیہم السلام ہوتے

ہیں ان کے بعد درجہ بدرجہ اہل فضل وکمال۔''

اور یہی وجہ ہے کہ آپ امت میں کسی بڑے سے بڑے امام کو ایسا نہ پائیں گے
کہ اہل ہوئی وہوس نے اس کی مخالفت وایذا رسانی کی کوششیں نہ کی ہوں۔

علامہ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیہ میں فرماتے ہیں:

ما من امام الا وقد طعن فیہ طاعنون وھلك

فیہ ھالکون

''کوئی امام ایسا نہیں ہے کہ زباں درازوں نے اس کے حق میں

زبان درازی نہ کی ہو اور تباہ ہونے والے اس کے بارے میں

ہلاک نہ ہوئے ہوں۔''

بالخصوص اللہ کے جس نیک بندے نے لوگوں کی نفسانی خواہشات
اور رواج یافتہ بدعات کے خلاف کبھی جہاد کیا ہے، اس پر تو بندگان ہوئی

وہوس اور فریفتگان بدعت وضلالت نے ایسی ایسی افترا پردازیاں اور بہتان طرازیاں کی ہیں کہ بس الامان والحفیظ۔

حامل لواء سنت، ماحی بدعت وضلالت امام علامہ ابواسحٰق شاطبی غرناطی (متوفی ۷۹۰ھ) اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں خود آپ بیتی لکھتے ہیں کہ:

''جب میں نے سنت کی ترویج وحمایت اور بدعت کی تردید ومخالفت میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو ابناء زمانہ نے مجھ پر ایک قیامت برپا کردی، مجھ پر ملامتوں کی بارش اور عتاب کی بوچھار شروع ہوگئی، مجھے گمراہ اور بدمذہب کہا جانے لگا، مجھے جاہل اور احمق بتایا گیا اور بسا اوقات میرے نیک مقصد کے خلاف ایسی ایسی افترا پردازیاں کی گئیں کہ جن سے دل لرزتا ہے، اور میری مذہبی پوزیشن خراب کرنے کے لئے بے خطر جھوٹی شہادتیں دی گئیں، جو یقیناً اللہ کے فرشتوں نے لکھی ہین اور ضرور بالضرور قیامت میں ان کے متعلق ان کذابوں سے باز پرس ہوگی...... الحمد للہ، کبھی مجھے صحابہؓ کا دشمن اور رافضی بتلایا گیا، اور کبھی باغی اور خارجی کہا گیا، اور چونکہ میں نے بعض بدعتی صوفیوں کی گمراہیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا تھا تاکہ وہ ان کے فریب میں نہ آئیں، اس لئے میرے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ یہ

اولیاء اللہ کو نہیں مانتا اور ان کا دشمن ہے اور یہ بھی اُڑایا گیا کہ یہ اہل سنت و جماعت کا مخالف ہے ــــــ اور اللہ کو علم ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ تھا اور بے اصل وہم ــــــ اور اس وقت میری حالت مشہور امام حافظ الحدیث عبدالرحمٰن بن بطہ کی سی تھی وہ خود ناقل ہیں کہ،

"میں مختلف مقامات پر جتنے لوگوں سے ملا ان میں سے اکثر نے مجھے کچھ نہ کچھ ضرور بنا ڈالا، اگر کسی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے میں نے یہ کہا کہ قرآن و حدیث میں اس کے خلاف وارد ہوا ہے، تو جھٹ اس نے مجھے خارجی بنا دیا، اور اگر میں نے مسائل توحید میں کوئی حدیث پڑھی تو اس نے مجھے بے دریغ مشبہ میں سے کہہ دیا، اور اگر ایمان کے متعلق میں نے اظہار خیال کیا تو اس نے مرجیہ میں داخل کر دیا، اور اگر اعمال کے بارے میں میں نے کچھ کہا تو مجھے قدریہ بنا دیا گیا، اور اگر ابوبکرؓ و عمرؓ کے فضائل میں میں نے کوئی حدیث پڑھی تو مجھے ناصبی اور خارجی کہہ دیا گیا، اور جب اہل بیت کے فضائل کا میں نے اظہار کیا تو مجھے رافضی بتایا گیا۔ علیٰ ہذا کبھی مجھے ظاہری کہا گیا کبھی باطنی، کبھی اشعری کبھی معتزلی، غرض

جو جس کے منہ میں آیا اس نے بے دریغ وہ کہہ ڈالا اور حال یہ ہے کہ:

وانی مستمسك بالكتاب والسنة واستغفر الله الذی لا اله الا ہو وہو الغفور الرحیم (الاعتصام ص ۱۳)

"الحمد للہ میں کتاب وسنت سے وابستہ ہوں اور اللہ وحدہٗ لاشریک سے بخشش چاہتا ہوں اور وہی غفور ورحیم ہے۔"

درحقیقت حق گوئی اور امر بالمعروف ایسی ہی چیز ہے کہ جس نے اس فریضہ کو کما حقہ انجام دیا اس کے دوست کم اور دشمن زیادہ ہوئے، سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

الامر بالمعروف والنهی عن المنكر لم یدعا للمومن صدیقا نامرهم بالمعروف فیشتمون اعراضنا ویجدون علی ذلك اعوانا من الفساق حتی والله لقد رمونی بالعظائم وایم الله لا ادع ان اقوم فیهم بحقه۔ (الاعتصام ص ۱۳)

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نے مومن کے لئے کوئی دوست نہیں چھوڑا (عجیب تماشا ہے) ہم ان کو بھلائی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ ہماری آبروریزی کرتے ہیں اور ہمیں گالیاں

دیتے ہیں اور بہت سے فساق اور اوباش اس میں ان کے
مددگار بھی بن جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم انہوں نے مجھ پر بڑی
بڑی تہمتیں رکھی ہیں اور میرا خدا سے عہد ہے کہ میں ضرور ان
کے درمیان حق کہتا رہوں گا اور قائم بالحق رہوں گا۔"

پس چونکہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لوگوں کی نفسانی خواہشات اور ارباب ضلالات کی ایجاد کردہ بدعات ومحدثات کے خلاف پوری عزیمت کے ساتھ جہاد کیا اور بے دھڑک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا، اس لئے آپ کے بھی دشمن بہت زیادہ ہو گئے، اور اسی سنت مستمرہ کے مطابق زیارت ابلیس نے آپ پر بھی نہایت شرمناک افتراء پردازیاں کیں، اور آپ کے خلاف دفتر کے دفتر سیاہ کئے گئے، دشمنان توحید وسنت نے حضرت شہیدؒ پر جو بہتان لگائے ہیں ان میں سے چند ایسے ہیں جن کو یہ ناخدا ترس عوام میں بہت زیادہ اچھالتے ہیں، ان اوراق میں صرف ان ہی چند بہتانوں کا جواب دیا گیا ہے اور ان عبارات کی توضیح کی گئی ہے جن کی بنیاد پر وہ بہتان لگائے جاتے ہیں۔ واللہ الموفق وھو المستعان۔

پہلا بہتانِ عظیم

سب سے پہلے جس ناپاک بہتان کے متعلق ہم عرض کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ "معاذ اللہ حضرت شہیدؒ کے نزدیک نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا بیل اور گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔"

اور بعض بدنصیب اس کو اس طرح بھی مشہور کرتے ہیں کہ "نماز میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو ان کے نزدیک نماز ہی نہیں ہوتی"

اس بہتان کی بنیاد "صراط مستقیم" کی ایک عبارت پر رکھی جاتی ہے، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ صراط مستقیم کی جس فصل میں وہ عبارت واقع ہے، اس پوری فصل کو تشریح کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کردیں تاکہ ان مفتریوں کی ابلہ فریبی کا پردہ اچھی طرح فاش ہوجائے اور اہل انصاف معلوم کرلیں کہ یہ افترا پیشہ گروہ کس طرح ایک خالص اسلامی کلام میں کفر کے معنی ڈال کر ابلیس علیہ ما علیہ کی امت کو بڑھانا چاہتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥

اصل مقصد شروع کرنے سے پہلے چند ضروری باتیں بطور تمہیدی مقدمات کے عرض کی جاتی ہیں۔ ناظرین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) پہلے یہ بات معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ "صراط مستقیم" حضرت شاہ شہیدؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ ان کے پیر و مرشد حضرت سید احمدؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کو حضرت شاہ صاحبؒ نے صرف ترتیب دیا ہے، چنانچہ اس کے دیباچہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(۲) دوسری بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ "صراط مستقیم" میں کل چار باب ہیں جن میں سے باب اول اور باب چہارم تو حضرت شہید علیہ الرحمہ کے مرتب کردہ ہیں اور باب دوم و باب سوم کو حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ داماد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی نے ترتیب دیا ہے، گویا ان میں شاہ صاحبؒ کی ترتیب کو بھی دخل نہیں ہے، چنانچہ اس کے دیباچہ میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

> "درا ثنائے تحریر ایں کتاب باوراقے چند کہ جناب افادت مآب قدوۂ فضلائے زماں زبدۂ علماء دوراں مولانا عبدالحیؒ ادام اللہ برکاتہ کہ در سلک ملازمان آں عالیجناب، و باریافتگان حضور آں والا جناب منسلک بودند پارۂ از مضامین ہدایت آگیں را کہ از زبان غیب ترجمان حضرت ایشاں شنیدہ دوراں اوراق تحریر کردہ بود، فائز گردید پس آں اوراق را غنیمت باردہ فہمیدہ باب ثانی و ثالث ایں کتاب را براں کلام ہدایت التیام بعینہٖ مشتمل ساخت۔"
>
> (صراط مستقیم ص ۳-۴)

بہر حال اس عبارت سے ظاہر ہے کہ "صراط مستقیم" کا دوسرا اور تیسرا باب مولانا عبدالحیؒ کا لکھا ہوا ہے اور واضح رہے کہ جس عبارت پر مذکورہ صدر بہتان کی بنیاد ہے وہ باب دوم ہی کی عبارت ہے، لیکن ان مفتریوں کی شہیدؒ دشمنی ملاحظہ ہو کہ یہ کبھی اس بہتان بندی کے موقع پر حضرت سید صاحب یا مولانا عبدالحیؒ کا نام بھی نہیں لیتے بلکہ ساری غلاظت بے گناہ شہیدؒ پر اچھالتے ہیں، فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

(۳) تیسری بات قابل لحاظ یہ ہے کہ "صراط مستقیم" کا اصل موضوع "تصوف" اور تزکیہ نفس ہے، اور عام طور پر اس میں صوفیاء کرام کی اصطلاحات اور بالخصوص قطب المحققین عارف باللہ سیدنا حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاحات کے مطابق کلام کیا گیا ہے جیسا کہ اس کے صفحہ ۲ پر اس کی بھی تصریح موجود ہے۔

(۴) "ہمت" صوفیائے کرام کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دل کو تمام خیالات و خطرات سے خالی کر کے کسی ایک طرف لگا دینا جس طرح کہ انتہائی پیاس کے وقت پیاسے کو بس پانی ہی کی طلب ہوتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ روحہ القول الجمیل میں فرماتے ہیں:

الھمة عبارة عن اجتماع الخاطر وتاكد العزيمة بصورة التمنى والطلب بحيث لا يخطر فى القلب خاطر سوى هذالمراد كطلب العطشان الماء

"ہمت کے معنی ہیں چاہت اور طلب کی شکل میں دل کو یکسو اور قصد کو مضبوط کرنا اس طور پر کہ اس وقت دل میں سوائے اس مطلوب کے کسی اور کا خطرہ بھی نہ آئے جس طرح کہ پیاسے کو سخت پیاس کے وقت بس پانی ہی کی طلب ہوتی ہے۔"

(۵) کبھی اسی "ہمت" کا تعلق (استفادہ باطنی کے لئے) اپنے شیخ طریقت (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کر دیا جاتا ہے اور اس وقت دل کو تمام اچھے برے خیالات سے خالی کر کے اسی طرف متوجہ کیا جاتا ہے (حتیٰ کہ اس وقت دل میں اللہ تعالیٰ کا خیال بھی نہیں ہوتا) اور اسی کا نام صوفیہ کی خاص اصطلاح میں "شغل رابطہ" بھی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ روحہ اس کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اگر شیخ سامنے موجود ہو تو ایسا کرے:

فاذا صحبه خلیٰ نفسه عن کل شئی الا محبته وینتظر لما یفیض منه ویغمض عینیه اولیفتحهما وینظر بین عینی الشیخ فاذا افاض شئی فلیتبعه بمجامع قلبه ولیحافظ علیه واذا غاب الشیخ عنه یخیل صورته بین عینیه بوصف المحبة والتعظیم فتفید صورته ماتفید صحبته (القول الجمیل)

"اپنے دل کو سوائے محبت شیخ کے ہر چیز سے خالی کرے اور اس

کی طرف سے فیض کا منتظر رہے اور اپنی آنکھوں کو بند کرے یا
کھولے رہے اور شیخ کی آنکھوں کی بیچ میں ٹکٹکی لگائے رہے،
پھر جب شیخ کی طرف سے کچھ فیض آئے تو پوری جمعیۃ قلب سے
اس کے پیچھے پڑ جائے اور اس کی محافظت کرے اور اگر مرشد
اس وقت موجود نہ ہو تو اس کی صورت کو محبت وعظمت کے ساتھ
اپنی آنکھوں کے سامنے خیال کرے پس اس کی یہ خیالی صورت
وہی فیض پہنچائے گی جو اس کی صحبت پہنچائے گی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ شغل رابطہ کے وقت دل کو تمام خیالات سے خالی اور یکسو کر کے اپنی توجہ کو صرف اسی طرف مرکوز کیا جائے جس سے رابطہ مقصود ہو مثلاً اگر اپنے مرشد سے استفادہ مقصود ہے تو بس اسی سے لو لگائی جائے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے رابطہ مقصود ہو تو بس آپ ہی کو مرکز توجہ بنایا جائے اور اس وقت کسی دوسرے خیال کی دل میں رسائی نہ ہو حتیٰ کہ جنت، دوزخ، عرش، کرسی، لوح وقلم، ملائکہ اللہ اور حتیٰ کہ خود حق جل مجدہ کی طرف بھی اس وقت دھیان نہ ہو۔

اور اسی کی ایک آخری اور انتہائی شکل وہ ہے جس کو ''شغل برزخ'' کہتے ہیں اور اس کی حقیقت خود ''صراط مستقیم'' میں یہ بیان کی گئی ہے کہ:

وتصویر شغل مذکور ایں ست کہ برائے دفع خطرات وجمعیت
ہمت صورت شیخ را کما ینبغی بہ تعیین وتشخیص در خیال حاضر می کنند

خود باادب و تعظیم تمام بہمگی ہمت خود متوجہ بآں صورت می شوند کہ گویا باآداب و تعظیم بسیار روبروئے شیخ نشستہ اند ودل بالکل بآں سو متوجہ می سازند (صراط مستقیم ص ۱۱۸)

"شغل برزخ" کی صورت یہ ہے کہ خطرات کے دفع کرنے اور کامل یکسوئی پیدا کرنے کے لئے شیخ کی صورت کو پوری تعیین وتشخیص کے ساتھ اپنے خیال میں حاضر کرتے ہیں اور کامل ادب و تعظیم کے ساتھ اپنی ساری توجہ کو اس صورت کی طرف مبذول کردیتے ہیں، اور یہ شکل ہوجاتی ہے کہ گویا بڑے ادب اور بہت زیادہ تعظیم سے خود شیخ کے سامنے بیٹھے ہیں اور دل کو بالکل اس طرف ہی متوجہ کردیتے ہیں۔"

اس کے بعد صراط مستقیم میں اس شغل کی قباحتیں دکھلائی گئی ہیں لیکن چونکہ اس وقت ہم کو اس کے جواز وعدم جواز سے بحث نہیں ہے، اس لئے ہم یہاں اس حصہ کو نظر انداز کرتے ہیں اس وقت تو ہم کو صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس شغل کی یہ حقیقت ہے اور صوفیاء کے بعض طریقوں میں اس پر عمل درآمد بھی ہوتا ہے۔

مگر واضح رہے کہ جن صوفیوں میں اس کا رواج ہے ان کے نزدیک بھی اس کا محل نماز نہیں ہے بلکہ اس قسم کے دیگر اشغال کی طرح یہ شغل بھی ان کے یہاں نماز اور دوسرے وظائف واجبہ سے فارغ اوقات میں کیا جاتا ہے۔

ان تمام مقدمات کو ذہن نشین کر لینے کے بعد سنئے کہ صراط مستقیم میں اسی شغل رابطہ اور شغل برزخ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ نماز میں یہ شغل کرنا اس سے بدتر ہے کہ انسان کو دوسری دنیوی چیزوں کے وساوس آئیں، اور وہ ان میں مستغرق ہو جائے، کیونکہ اول تو یہ وساوس قصدی واختیاری نہیں ہوتے پھر یہ کہ انسان کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ دل میں ان کی حقارت ہوتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب نمازی کو تنبہ ہو جاتا ہے تو وہ فوراً ان وسوسوں کو دل سے نکال دیتا ہے بخلاف اس شغل رابطہ اور شغل برزخ کے کہ اس میں بالقصد دل کو ہر طرف سے (حتیٰ کہ اللہ کی طرف سے بھی) ہٹا کر اپنے شیخ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی متوجہ کرنا ہوتا ہے، بلکہ یہ تصور باندھا جاتا ہے کہ گویا وہ اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہم ان کے حضور میں باادب وتعظیم حاضر ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کا تصور مقصد نماز کے بالکل ہی خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الاحسان ان تعبد الله كانك تراه الخ

”عبادت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تم اس طرح متوجہ ہو کر خدا کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو“

نیز جب نمازی حالتِ نماز میں اپنے مرشد یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس طرح متوجہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں ان کی پوری عظمت اور محبت بھی ہوگی اور اس کو اس شغل سے غیر معمولی دلچسپی بھی ہوگی اور

اس صورت میں یہ توقع نہیں کہ اس کو اپنی غلط روی کا احساس ہو جائے اور وہ اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف منعطف کر دے غرض اسی وجہ سے نماز میں یہ "شغل رابطہ" اور "شغل برزخ" بہ نسبت دنیاوی وساوس کے زیادہ مضر ہے۔

بہرحال "صراط مستقیم" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال مبارک آنے یا حسب موقع اس کے لانے کو مضر یا منافی نماز نہیں بتلایا گیا ہے بلکہ اسی مذکورہ بالا "شغل برزخ" کو جس کا دوسرا نام "صرف ہمت" بھی ہے بوجہ مذکور وساوس دنیویہ سے زیادہ مضر کہا گیا ہے۔

البتہ بغیر اس "صرف ہمت" کے اللہ کے خاص مخلص بندوں کو حالت نماز ہی میں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ملائکہ یا ارواح صالحین کا انکشاف ہو جاتا ہے اس کو اسی صراط مستقیم میں اللہ تعالیٰ کا خاص انعام اور کمال نماز کا ثمرہ بتلایا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم صراط مستقیم کی اصل عبارت مع مختصر شرح کے پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

ہدایت ثانیہ در ذکر مخلات عبادات تفصیلاً وطرق معالجات آں وآں مشتمل بر سہ افادہ است

یعنی صراط مستقیم کے باب دوم فصل سوم کی اس دوسری ہدایت میں عبادت میں خلل ڈالنے والی چیزوں کا تفصیلی بیان اور ان کے علاج کے طریقوں کا ذکر

ہوگا اور اس میں تین افادے ہیں۔

(افادہ اول) مخل نماز نفس وشیطان ہر دو میشود نفس بایں طور کہ کسالت میکند و آرام خود میخواہد و عجلت در ادائے ارکان نماز می نماید تا جلد تر فارغ شدہ با آرام کند و در مرغوب خود مشغول گردد و در خواندن نماز قیام و رکوع و سجود و قعود بطور مسنون نمی گزارد بلکہ مثل تائبین و مغلوجین کسالتے و استرخائے در اعضائے اوراہ می یابد و جوارح خود را با کیف ما اتفق بسبب عدم مبالات بارکان صلوۃ یا بوضع کہ مناسب راحت بدنی باشد می دارد و ہمچنیں مثل محمومین پراگندگی حواس باطنہ وتشتت وہم وخیال معترض حال او گشتہ اخلالے عظیم وتوجہ قوائے باطنہ و اعضائے ظاہرہ بسوئے نماز می اندازد"

اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں نفس اور شیطان دونوں خلل ڈالتے ہیں، نفس تو اس طور پر کہ سستی کرتا ہے اور آرام اور راحت چاہتا ہے اور عجلت کرتا ہے تا کہ جلد نماز سے فارغ ہو کر اپنے کسی محبوب مشغلہ میں لگے اور ارکان نماز کو بطریق مسنون ادا نہیں کرتا بلکہ کمزوروں اور فالج زدہ لوگوں کی طرح سستی اور ڈھیلے پن سے ادا کرتا ہے اور بے پروائی کی وجہ سے اپنے اعضاء کو اس طرح رکھتا ہے جس طرح کہ اس کو راحت حاصل ہو اور ایسے ہی اس کے حواس باطنہ میں پراگندگی اور وہم وخیال میں بے انضباطی پیدا کر دیتا ہے، اور اس طرح اس

کی ظاہری و باطنی یکسوئی میں خلل انداز ہوتا ہے۔ (یہاں تک تو نفس کی خلل اندازی کا بیان تھا، اب شیطان کی شرارتوں کا حال سنئے)

''واما شیطان پس وسوسہ می اندازد واقبح وساوس وے بیکی شان صلوٰۃ وقلت مبالات باں وچنداں کارآمدنی ندانستن آں وایں وسوسہ جلدتر بکفر می رساند استخفاف وانکار فرضیت پیش می آید وآدمی کافری گردد وادنائے وسوسہ اش آنکہ از حضور مخاطبہ ومکالمہ ولذت مناجات رب العزت غافل سازد بایں طریق کہ شمار رکعات یا تسبیحات رابخوبی باید دانست مبادا سہوے وغلطے واقع شود یا در متشابہات قرآن مجید حافظ رامی اندازد کہ آنرا درخیال دارد بنابر صیانت از غلطی باوجودیکہ ہماں نماز خواں یکبار یا دوبار یا صد بار آزمائش کردہ کہ در بقائے حضور ہم نہ تخلخلے در رکعت می شود نہ در تسبیحات ونہ تشابہ در قرآن می افتد ایں مکر شیطان است وغرضش یاد دہی رکعت وتسبیحات ومتشابہات نیست بلکہ تنزیل وفرود آوردن است از مرتبہ اعلیٰ بمرتبہ ادنیٰ وبلم جرآ تا کہ بمقصود اصلی رساند ومقصود اصلی آں رجیم ہماں انکار وکفراست اگر بفضلہ تعالیٰ آں مقصودش سرانجام نہ شد پس بہ ناچاری بمقتضائے ''اذا فاتک اللحم فاشرب المرقۃ'' آہستہ آہستہ بخیال گاؤ خری رساند کہ ایں صورت متحقق گردد کہ ع

''برزباں تسبیح ودر دل گاؤ خر''

گاؤ خر تمثیل است ہر چہ سوائے حضور حق است گاؤ باشد یا خر فیل باشد یا شتر"

اس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نماز میں وساوس کے ذریعہ خلل انداز ہوتا ہے اور اس کا بدترین وسوسہ یہ ہے کہ نماز کوئی بہت اہم اور زیادہ کارآمد چیز نہیں ہے اور یہ وسوسہ بہت جلد کفر تک پہنچا دیتا ہے اور نماز کے استخفاف اور اس کی فرضیت کے انکار تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور اس طرح آدمی دائرہ اسلام سے نکل کر حدود کفر میں داخل ہو جاتا ہے، اور اس کا ادنٰی درجہ کا وسوسہ یہ ہے کہ حضور مخاطبہ اور لذت مکالمہ سے نمازی کو غافل کر کے کسی اور طرف لگا دے، مثلاً نمازی کے دل میں یہ خیال ڈالے کہ رکعات وتسبیحات وغیرہ کی گنتی کا اچھی طرح لحاظ رکھنا چاہئے کہیں اس میں غلطی نہ ہو جائے یا مثلاً حافظ کو متشابہات کی نگہداشت میں مشغول کر دے، حالانکہ اس نمازی کو بار بار کا یہ تجربہ ہوتا ہے کہ مخاطبہ الٰہی میں مستغرق ہو کر جو نماز ادا کی جاتی ہے اس کی رکعات وتسبیحات کے اعداد میں بھی غلطی نہیں ہوتی اور آیات متشابہہ میں بھی دھوکہ نہیں لگتا مگر بایں ہمہ شیطان اس نمازی کو لذت مناجات الٰہی سے محروم کرنے کے لئے ادھر متوجہ کر دیتا ہے اور اس سے اس لعین کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ نمازی کو سہو اور غلطی سے بچائے بلکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کی نماز کامل واکمل طور پر ادا نہ ہونے پائے اور یہ بھی اس کا اصل مقصد نہیں ہے۔ فی الحقیقت تو اس کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ انسان کو کسی طرح کافر بنا دے لیکن جہاں

اس میں کامیابی نہیں ہوتی، وہاں وہ فسق ہی کو غنیمت سمجھتا ہے۔

اور جہاں اس میں بھی کامیاب نہیں ہوتا وہاں بمقتضی اس مثل کے کہ ''گندم اگر ہم نہ رسد جو غنیمت است'' وہ صرف اسی پر اکتفا کرتا ہے کہ نمازی کو گاؤ خر کے خیال میں لگا دیتا ہے اور پھر یہ صورت ہو جاتی ہے کہ ع

برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر

اور واضح رہے کہ گاؤ خر سے مراد خاص بیل اور گدھا نہیں ہے بلکہ یہ تمثیل ہے، جو بھی ماسوائے حضرت حق ہو خواہ بیل ہو یا گدھا، ہاتھی ہو یا اونٹ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''طالب علمان ندانند کہ تامل مادر صیغ و ترکیب ازاں قبیل نیست ہیہات ہیہات بلکہ زیادہ تر از خیال گاؤ خر مخل صلوۃ است و دانشمندان پندارند کہ فکر استخراج مسائل غریبہ از قرآن تکمیل نماز است بلکہ تنقیص است و ارباب مکاشفات نہ انگارند کہ توجہ ہم در نماز بہ برزخیہ شیخ و تجسس ملاقات ارواح و ملائکہ تحصیل ہماں نماز است کہ معراج مومنین است نے ایں توجہ ہم شعبہ ایست از شرک گو شرک خفی بلکہ اخفی باشد''۔

یعنی طالب علم حضرات یہ نہ سمجھیں کہ قرآن کریم کے صیغوں اور آیات کی نحوی ترکیب میں ہمارا غور و خوض کرنا، اس قبیل سے نہیں ہے خبردار! خبردار! وہ تو گاؤ خر کے خیالات سے بھی زیادہ مخل نماز ہے اور علم و تلقہ والے

نہ جانیں کہ نماز کی حالت میں قرآن حکیم سے مسائل غریبہ کا استخراج نماز کی تکمیل ہے نہیں بلکہ وہ بھی نماز کی تنقیص ہے، اور ارباب مکاشفات گمان نہ کریں کہ نماز کی حالت میں شغل برزخ (یعنی بطریق مذکور اپنے مرشد کی صورت کو دل میں جمانا اور ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اسی کو مرکز توجہ بنانا) اور علیٰ ہذا ملائکہ اور ارواح صالحین کی ملاقات کی فکر میں لگنا یہ اس نماز کی تحصیل ہے جس کو معراج المومنین بتلایا گیا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ توجہ شرک کا ایک شعبہ ہے اگرچہ شرک خفی بلکہ خفی تر ہے۔

واضح رہے کہ اس جگہ جس چیز پر شرک خفی کا حکم لگایا گیا ہے، وہ وہی شغل برزخ ہے اور تجسس ملاقات ارواح وملائکہ یعنی ملائکہ اور ارواح صالحین کی ملاقات کی فکر میں لگنا اور یہ چیز ارباب طریقت واصحاب حقیقت کے نزدیک بے شک شرک ہے، سید الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ ''فتوح الغیب'' مقالہ سابعہ میں ارقام فرماتے ہیں:

لیس الشرك عبادة الاصنام فحسب بل هو متابعتك لهواك وان تختار مع ربك عزوجل شيئا سواه من الدنيا والاخرة وما فيهما فما سواه عزوجل غيره فاذا ركنت إلى غيره فقد اشركت به عزوجل غيره۔

''شرک صرف بت پرستی ہی کا نام نہیں ہے بلکہ نفسانی خواہشات

کا اتباع بھی شرک ہے اور یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے کہ تو
اپنے رب کے ساتھ اس کے علاوہ دنیا یا آخرت کی کسی چیز کو
اختیار کرے، پس جو بھی کچھ اللہ عزوجل کے سوا ہے وہ اس
کے غیر ہے اور جب تو اس کے غیر کی طرف مائل ہوا تو تو نے
اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کیا۔"

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار (ص ۱۴۴)
میں خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کے جلیل القدر خلیفہ شیخ صدرالدین حکیم
کے تذکرہ میں ان کا ایک مکتوب بھی نقل کیا ہے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہے
"ہر چہ نظر در غیر است شرک ست"۔

بہرحال اہل طریقت اور ارباب حقیقت کے نزدیک غیر اللہ کی طرف
دل کا مائل ہونا بھی شرک ہے اور اسی اعتبار سے صراط مستقیم کی اس عبارت
میں بحالت نماز "شغل برزخ" کرنے اور ارواح وملائکہ کی ملاقات کی فکر
میں لگنے کو شرک خفی کہا گیا ہے۔

یہاں تک نماز میں پیش آنے والے خیالات کے متعلق اتنی صورتیں
مذکور ہوئیں۔

(۱) بلا قصد ایسے خیالات آئیں جن کو نماز سے کوئی خاص تعلق نہ ہو جیسے کہ
عام طور پر خیالات آیا کرتے ہیں۔

(۲) نمازی رکعات وتسبیحات کے شمار اور متشابہات کی یادداشت کی طرف

متوجہ ہو جائے۔

(۳) طالب علم نماز کی حالت میں قرآنی صیغوں کے صرفی مباحث اور آیتوں کی نحوی ترکیب میں غور وخوض کرنے لگے۔

(۴) علماء نماز میں مسائل غریبہ کے استخراج واستنباط کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

(۵) متصوفین نماز ہی میں شغل برزخ کرنے لگیں یا ملائکہ وارواح کی ملاقات کی فکر میں لگ جائیں۔

''صراط مستقیم'' میں ان پانچوں صورتوں کو نماز کے لئے مخل اور بالخصوص آخری صورت کو ایک گونہ شرک خفی بتلایا ہے۔ اب ایک چھٹی صورت یہ ہے کہ نمازی تو پوری توجہ اور کامل یکسوئی کے ساتھ مخاطبہ حق جل جلالہ میں مشغول ومستغرق ہو اور خود بخود حق تعالیٰ کی جانب سے حقائق ومعارف کا فیضان ہو اور ملاء اعلیٰ کی طرف سے ہی ارواح انبیاء اولیاء اور ملائکۃ اللہ کا انکشاف ہو، اس کے متعلق آگے صاف فرماتے ہیں کہ یہ مخل نماز نہیں بلکہ خداوندی انعام اور کمال نماز کا نشان ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

''دنیاید دانست کہ سنوح مسائل غریبہ وکشف ارواح وملائکہ در نماز قبیح است، بلکہ توجیہ ہمت وقصد ایں کار در طویت وامتزاج ایں مدعا در نیت مخالف خلوص مخلصان است واما سنوح وکشف مذکورین پس از قبیل خلعت ہائے فاخرہ است کہ مخلصان مستغرق حضور حق، را بسبب وفور عنایتہا بآں می نوازند پس

درحق ایشاں کمالے است کہ درموطن مثال مجسم گردیدہ ونماز ایشاں عبادتے است کہ ثمرہ اش بمنظر رسیدہ"۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ نماز میں حقائق ومعارف لطیفہ اور مسائل غریبہ کا بطور فیضان کے معلوم ہونا اور کشف ارواح وملائکہ کوئی قبیح بات ہے نہیں ہرگز نہیں، بلکہ ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ قصدی طور پر ہمہ تن اس میں منہمک اور بالکل اس طرف متوجہ ہونا یہ مخلصین کے خلوص کے خلاف ہے لیکن اگر بطور فیضان کے یہ چیزیں حاصل ہوں تو وہ ان عالی قدر انعامات میں سے ہیں جو ارباب خلوص کو دست بدست دیئے جاتے ہیں۔

ناظرین بانصاف اس تصریح کو دیکھیں اور ان اشقیاء مفترین کے لئے دعاء ہدایت کریں جو کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) شہیدؒ کے نزدیک نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا بیل اور گدھے کے خیال سے بھی بدتر ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:-

"آرے ادعیہ حاجات گو حاجات قلیلہ معاشیہ باشند کہ بسبب اعتقاد انحصار حاجت روائی درذات صمد مطلق از مصلی با کمال درعین صلوۃ صادر می شود از ہمیں قبیل یعنی کمال نماز است ومشاورات بالنفس در حوائج از قبیل وساوس قبیحہ نقصان نماز است وانچہ از عمر رضی اللہ عنہ منقول است کہ تدبیر لشکر درنماز

می فرمودند پس بایں قصد مغرور نباید شد و نماز خود را تباہ نباید کرد۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

خضر علیہ السلام را شکستن کشتی و کشتن کودک بے گناہ ثواب عظیم بود و دیگراں را گناہ عظیم جناب فاروقؓ را مرتبہ بود کہ تجہیز لشکر در نماز مخلے نمی شد بلکہ اہم منجملہ بکمالات نماز می گردد زیرا کہ آں تدابیر از جملہ ملہمات حضرت حق در دل ایشاں بودہ بخلاف کسے کہ خود متوجہ تدبیر امراز امور دینیہ یا دنیویہ شود بر ہر کہ آں مقام منکشف می شود می داند"۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اپنی حاجات کے لئے خواہ وہ معمولی اور معاشی ہی کیوں نہ ہوں حق تعالیٰ سے دعا کرنا نماز میں مخل نہیں ہے بلکہ وہ بھی کمال نماز سے ہے، ہاں اپنی ضروریات کے متعلق خود بخود نماز میں سوچ بچار کرنا وساوس قبیحہ میں سے ہے اور نماز کے لئے نقصان دہ ہے اور وہ جو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نماز کی حالت میں لشکر کی تدبیر کرتے تھے اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور اپنے آپ کو ان اللہ والوں پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ دیکھو حضرت خضر علیہ السلام کو کشتی کو توڑنا اور بلا خطا بچہ کو مارڈالنا جائز بلکہ ثواب عظیم تھا اور دوسروں کے لئے سخت ترین گناہ، پس خوب سمجھ لو کہ حضرت فاروق اعظم کو وہ مرتبہ حاصل تھا کہ لشکر کی تدبیر ان کی نماز

میں مخل نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ ان کی نماز کا کمال تھا کیونکہ ان پر حالت نماز میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس کا القا ہوتا تھا نہ یہ کہ وہ خود سوچتے تھے اور جس شخص کو اس کوچہ کی ہوا لگی ہو وہ اس کو خوب سمجھ سکتا ہے۔

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ اس کی نظیر حضرت زکریا علیہ السلام کا وہ واقعہ ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے، ہم ذیل میں وہ آیتیں اور بجائے ترجمہ کے حاصل مطلب لکھتے ہیں۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ (سورہ آل عمران ۳۸---۴۰)

''انہوں نے بڑھاپے میں حق تعالیٰ سے اولاد کی دعا کی اور اس کی قبولیت اس طرح ظاہر ہوئی کہ ایک دن جب کہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک مبارک فرزند دے گا جو سردار اور پیغمبر ہوگا آپ نے عرض کیا

اے میرے رب میرے کیسے لڑکا ہوگا اور حالانکہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، جواب ملا اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے الخ :

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں حق تعالیٰ سے اپنی حاجات کے متعلق عرض و معروض کرنا اور اس کے بھیجے ہوئے فرشتوں سے مخاطب ہونا کمال نماز کے خلاف نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے، بہر حال حضرت فاروق اعظمؓ نماز میں جو لشکر کی تدبیر فرماتے تھے وہ اسی طرح ہوتی تھی کہ ملاء اعلیٰ سے آپ کو تلقین کی جاتی تھی اور آپ انہی غیبی اشارات پر چلتے تھے، پس اعداء صحابہؓ کا یہ طعن کہ حضرت عمرؓ کو نماز میں بھی جنگ ہی کی سوجھتی تھی حقیقت سے ناواقفی پر مبنی ہے، "چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند" خیر یہ تو ضمناً ایک چیز آگئی تھی، اس کے بعد پھر وہیں آجایئے اور صراط مستقیم کی عبارت ملاحظہ فرمایئے، مذکورہ بالا عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

"آرے بمقتضائے "ظلمات بعضہا فوق بعض" از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشد بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است کہ خیال آں تعظیم و اجلال بسویدائے دل انسان می چسپد بخلاف خیال گاؤ خر کہ نہ آں قدر چسپیدگی می بود و نہ تعظیم بلکہ مہان و محقر می بود

وایں تعظیم و اجلال غیر کہ در نماز ملحوظ و مقصود می شود بشرک می کشد''

نماز میں پیش آنے والے خیالات کے مختلف درجے پہلے مذکور ہو چکے ہیں اب یہاں انہی کے متعلق فرماتے ہیں کہ تمام وسوسے ایک ہی درجے کے نہیں ہوتے بلکہ بمصداق " ظلمات بعضہا فوق بعض " ان میں فرق مراتب ہے، چنانچہ زنا کا وسوسہ اپنی بیوی کی مجامعت کے خیال سے زیادہ برا ہے اور اپنی تمام تر توجہ کو ہر طرف سے پھیر کر اپنے شیخ یا کسی اور بزرگ ہستی کی طرف (گو کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں) لگا دینا یعنی بحالت نماز وہی شغل رابطہ اور شغل برزخ کرنا گاؤ خر (یعنی حضرت حق سے غافل کرنے والی دوسری چیزوں) کے خیالات میں ڈوب جانے سے بچند امراتب بدتر ہے کیونکہ (اول تو یہ خیالات غیر قصدی خطرات ہوتے ہیں) اور انسان کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور نہ ان کی کوئی عظمت و محبت ہی دل میں ہوتی ہے بلکہ انسان خود بھی ان کو برا اور ذلیل و حقیر سمجھتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب اس کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ میں نماز میں ہوں تو وہ ان لغو خیالات و وساوس کو خود ہی دل سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف اپنی توجہ کو پھر صحیح اور استوار کر لیتا ہے جو نماز کا حقیقی منشا ہے بخلاف اس کے کہ نماز میں اپنے مرشد یا کسی اور بزرگ کی طرف ''صرف ہمت'' کی جائے (یعنی اپنی طبیعت کو ہر طرف سے پھیر کر حتیٰ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بھی ہٹا کر کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے شیخ یا کسی اور مکرم و معظم ہستی کی

طرف لگایا جائے یا بالفاظ دیگر "شغل رابطہ" اور "شغل برزخ" کیا جائے تو یہ بہ نسبت عام وساوس کے زیادہ مضر ہے کیونکہ (اول تو اس میں اپنے قصد سے حق تعالیٰ کی طرف سے بھی توجہ کو منقطع کرنا ہوتا ہے جو مقصد نماز کے بالکل ہی خلاف ہے، اور دوسرے یہ کہ) انسان بالخصوص نمازی مسلمان کے دل میں ان واجب الاحترام ہستیوں کی انتہائی عظمت ومحبت ہوتی ہے لہٰذا جب وہ ان سے لو لگائے گا اور شغل برزخ کی مذکورہ بالا شکل کے مطابق ان کی صورت کو دل میں جمائے گا تو وہ مقدس اور محبوب صورت دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جائے گی اور تعظیم واجلال کے وہ جذبات جو اس وقت حق تعالیٰ سے وابستہ ہونے چاہیئے تھے اس مقدس ہستی کی اس خیالی صورت سے وابستہ ہو جائیں گے بلکہ بالقصد کر دیئے جائیں گے اور اس نماز میں جو سراسر حق تعالیٰ کی تعظیم واجلال کا مرقع ہے غیر اللہ کی تعظیم وتجلیل کو مقصود اصلی بنا لینا شرک تک لے جاتا ہے پس اسی واسطے نماز کی حالت میں یہ "صرف ہمت" اور شغل برزخ بمقابلہ عام دنیوی وساوس کے زیادہ مضر ہے۔

حضرات! بس یہی ہے وہ عبارت جس پر اہل بدعت کے اس ناپاک افترا کی بنیاد ہے اب ناظرین بانصاف ملاحظہ فرمائیں کہ آیا اس میں حضور ﷺ کے صرف خیال آنے اور حسب موقع لانے کو گاؤ خر کے وساوس سے بدتر کہا گیا ہے؟ یا صرف ہمت اور شغل برزخ کو ایسا بتلایا گیا ہے؟

مزید توضیح وتسہیل کے لئے اگر مثال درکار ہو تو یوں سمجھئے کہ جو شخص فریضہ

حج ادا کرنے کے ارادہ سے اپنے گھر سے روانہ ہوا وہ اگر بمبئی یا کراچی کی سیر وتفریح میں مشغول ہو جائے تو اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جس وقت اس کو اپنی غلط کاری کا احساس ہو جائے گا اور یہ خیال اس کے دل میں آئے گا کہ مجھ کو کہاں جانا ہے اور میں کہاں ہوں تو وہ فوراً اس سیر وتفریح کے بیکار مشغلہ کو چھوڑ کر عازم بیت اللہ ہو جائے گا لیکن یہی شخص بجائے مکہ معظمہ جانے کے اگر اپنے کسی دلی محبوب کی گلیوں کا چکر لگانے لگے اور اسی کے آستانہ کی جبیں سائی کو اپنا منتہائے آرزو قرار دے لے تو پھر اس کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ اپنی غلط روی کا احساس کر کے مکہ معظمہ پہنچ سکے بلکہ صاف صاف یونہی کیوں نہ سمجھئے کہ اگر یہی عازم حج بجائے مکہ مکرمہ جانے کے عشق رسولؐ کے جذبات سے مغلوب ہو کر مدینہ طیبہ کا راستہ اختیار کر لے اور وہاں پہنچ کر بس وہیں کی روحانی لذتوں میں گم ہو کر رہ جائے اور رسول اللہ صلعم کے روضہ اقدس پر کھڑے ہو کر کہنے لگے۔

جیوں تیرے در پر مروں تیرے در پر
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اور بس وہیں کا ہو رہے اور اسی کو اپنی منزلِ مقصود قرار دے لے تو اگر چہ اس کا جذبہ عشق رسول اللہؐ فی نفسہ قابل ستائش ہو مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ شخص فریضہ حج سے محروم رہ جائے گا اور اس کی وجہ سے یقیناً حق تعالیٰ اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے ناراض ہوں گے اور اگر بفرض یہ شخص بجائے خانہ کعبہ کے روضۂ اقدس کا طواف بھی بہ نیت عبادت کرنے لگے

تو مشرک بھی ہو جائے گا پس اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بہ نسبت اس کے زیادہ محروم رہا جو غلطی سے بمبئی یا کراچی کی سیر کرنے لگا تھا اور پھر اس کو اپنی غلط کاری کا احساس ہوا اور وہ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوا اور زیارت روضۂ مبارک سے بھی اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں بس ٹھیک اسی طرح سمجھئے کہ معمولی اور حقیر چیزوں کے خیالات نماز میں اس قدر مخل اور مضر نہیں ہوتے جس قدر کہ اپنے شیخ یا کسی اور مقدس و محترم ہستی مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف "صرف ہمت" اور ان کے ساتھ "شغل برزخ" مضر ہوتے ہیں کیونکہ اس میں بالقصد اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر دوسری طرف لگانا اور اسی دوسرے کو مرکز توجہ بنانا ہوتا ہے۔

لیکن اگر بغیر اس "صرف ہمت" کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک آئے یا حسب موقع لایا جائے تو ہرگز اس کا یہ حکم نہیں بلکہ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی کسی خاص حقیقت کا فیضان ہو یا عنایت الٰہی آپ کی روح پاک یا دیگر انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام کی اَرواح مقدسہ یا ملائکۃ اللہ سے ملاقات ہو تو وہ بھی "صراط مستقیم" کی مذکورہ بالا تصریح کے مطابق خدا کا خاص الخاص انعام اور نماز کی مقبولیت کا نشان ہے۔

پس کس قدر مفتری اور کذاب ہیں وہ لوگ جو صراط مستقیم کی ان عبارات کے متعلق کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) ان میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

خیال آنے کو بیل اور گدھے وغیرہ کے خیالات سے بدتر کہا گیا ہے، انصاف! انصاف! اے اہل انصاف! الحساب یوم الحساب واللہ شدید العقاب

اہل بدعت کے اس ناپاک بہتان کی جواب دہی کے لئے صراط مستقیم کی جس قدر عبارت کی ہم کو شرح پیش کرنی تھی وہ ہم پیش کر چکے، اس کے بعد اس میں مذکورہ بالا وساوس اور نفس و شیطان کی تمام خلل اندازیوں کا علاج بتلایا گیا ہے ہم محض اتمام فائدہ کے لئے اس کا نہایت مختصر خلاصہ اپنے ہی الفاظ میں پیش کرتے ہیں فرماتے ہیں:

پس اگر نماز کے متعلق وہی خبیث وسوسہ آئے کہ وہ کوئی زیادہ اہم اور کارآمد چیز نہیں ہے پس اس کا علاج یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے پوری عاجزی کے ساتھ اس کے دفعیہ کی خود دعا کرے اور اپنے شیخ سے بھی اپنا یہ حال کہے تاکہ وہ بھی حق تعالیٰ سے دعا کرے اور نیز چونکہ وہ زیادہ آزمودہ کار ہوتا ہے اس لئے شاید کوئی خاص تدبیر بھی اس کے دفاع کی تجویز کرے اور اگر اس وسوسے کے علاوہ اثناء نماز میں اور وسوسے نفس یا شیطان کی طرف سے پیش آئیں تو پھر اس کا علاج یہ ہے کہ جتنی رکعتوں میں وسوسے آئیں ان میں سے ہر ہر رکعت کے بدلہ میں بوقت مشروع خلوت و تنہائی میں چار چار رکعت نفل پڑھے اور اس کی پوری کوشش کرے کہ ان میں وسوسے نہ ہونے پائیں اور شیطان سے کہہ دے کہ تو میری جس رکعت میں بھی خلل انداز ہوگا میں اس کے عوض چار رکعتیں پورے اخلاص سے پڑھوں گا پھر انشاء اللہ وہ خود ہی مایوس ہو کر دفع ہو جائے گا۔

اور اگر بالفرض یہ شخص تہجد کا عادی ہے اور نفس یا شیطان کے فریب سے کسی دن تہجد قضا ہو جائے تو اس کی صبح کو روزہ رکھے اور اگر روزہ میں بھی نفس یا شیطان کی طرف سے کوئی خلل واقع ہو تو اس رات کو بیداری اور ذکر الٰہی میں گزار دے اور نفس و شیطان سے کہہ دے کہ جس دن بھی میری نماز تہجد قضا ہوگی اس کے عوض اگلے دن میں روزہ رکھوں گا اور روزہ میں اگر تم نے کوئی خلل ڈالا تو اس کے بدلے ساری رات جاگوں گا، خدا نے چاہا تو اس طرح کرنے سے شیطان اپنی شرارت سے باز رہے گا اور نفس قابو میں آ جائے گا۔

اور اگر نفس زکوٰۃ ادا کرنے میں بہانہ بازی کرے تو مقدار زکوٰۃ سے چوگنا مال اللہ کی راہ میں دے ڈالے اور نفس سے کہہ دے کہ جب تو اللہ کے حق کی ادائیگی میں لیت ولعل کرے گا میں اسی طرح مقدار واجب سے چوگنا مال خیرات کیا کروں گا، انشاء اللہ پھر اس راہ میں نفس کی ساری بہانہ بازیاں ختم ہو جائیں گی۔

اور جس وقت حج یا جہاد فرض ہو جائے اور اس کی ادائیگی میں نفس سستی دکھائے تو غور کرے کہ نفس کے لئے کون چیز مانع بنی ہوئی ہے بس اسی کو ختم کر دے، مثلاً اگر معلوم ہو کہ ریاست اور حکومت کی محبت کی وجہ سے نفس حج کی ادائیگی یا جہاد کے کرنے میں سستی کرتا ہے تو ریاست کے سارے ساز و سامان سے دست بردار ہو جائے اور خوراک پوشاک وغیرہ تمام چیزوں میں اپنی معاشرت فقیرانہ اور غریبانہ بنالے اور اگر جہاد میں شرکت کے باوجود نفس

کما حقہ چستی نہیں دکھاتا تو جہاد کے مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کاموں میں ہاتھ ڈالے اور نفس کو مجبور کر کے بلا دھڑک خطرات میں کود پڑے اور نفس سے کہہ دے کہ تو جس قدر سستی دکھائے گا میں اسی قدر سخت اور سنگین کاموں میں تجھے دھکیلوں گا، اس طرح امید ہے کہ انشاء اللہ بہت جلد نفس مطیع شریعت ہو جائے گا اور فرائض الٰہیہ کی بجا آوری میں سستی کرنا بالکل بھول جائے گا، ان تمام معالجات کے بتلانے کے بعد اس فصل کو اس ایمان افروز فقرے پر ختم فرماتے ہیں۔

''وکار ہائے جہاد دریں زمانہ از اہم مہمات است''

اور جہاد کا کام اس زمانہ میں تمام ضروریات سے زیادہ ضروری اور اہم ہے، فی الحقیقت اہل باطل کی ساری لڑائی صرف اسی جملہ کی وجہ سے ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان مجاہدین کا مشن کامیاب ہو گیا یا کم از کم مسلمانوں میں یہ جذبات ہی پیدا ہو گئے، تو ہم جیسے بزدلوں اور بے عملوں کو کوڑی کو بھی کوئی نہ پوچھے گا مگر یاد رہے کہ صداقت کا آفتاب باطل کے اس گرد و غبار سے نہیں چھپایا جا سکتا اور شہداء حق کا مقدس خون ہی ان کے مشن کی ابدی بقا اور باطل پرستوں سے ان کے انتقام کا کفیل ہوتا ہے۔

رنگ جب محشر میں لائے گا تو اڑ جائے گا رنگ
یوں نہ کہیے سرخیٔ خونِ شہیداں کچھ نہیں

حضرت شہیدؒ پر دوسرا بہتان

منجملہ اُن افتراآت کے جو حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ فی سبیل اللہ پر باندھے گئے ہیں ایک بہتان یہ بھی ہے کہ مولانا ممدوح نے (معاذ اللہ) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا ہے کہ ''آپ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے اور صرف بڑے بھائی جیسی ہی آپ کی تعظیم وتوقیر کرنی چاہیے'' اور اس بہتان کی بنیاد تقویۃ الایمان کی ایک عبارت پر رکھی جاتی ہے جو اس کی پانچویں فصل میں مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کے فائدے کے ذیل میں لکھی گئی ہے، قبل اس کے کہ ہم ناظرین کے سامنے وہ اصل عبارت مع شرح کے پیش کریں بطور تمہید کے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

دین وشریعت کی زبان میں اور عام محاورہ میں بھی اخوت، برادری، بھائی چارہ، کئی قسم پر ہے۔

(۱) ایک اخوت نسبی جو ایک باپ کے دو بیٹوں میں، یا ایک دادا کے دو پوتوں میں ہوتی ہے۔ قرآن عزیز میں میراث کی آیتوں میں جہاں کہیں ''اَخٌ'' یا ''اَخَوَۃٌ'' کا لفظ آیا ہے وہاں یہی اخوت مراد ہے، نیز ہارون علیہ السلام کو قرآن عزیز میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی کہا گیا ہے اس سے بھی یہی نسبی

اخوت مراد ہے اور اسی نسبی اخوت کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فخریہ کہا ہے:

مُحَمَّدٌ النَّبِیُّ اَخِیْ وَصِهْرِیْ ‏ وَحَمْزَةُ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ عَمِّیْ

"اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بھائی اور میرے خسر ہیں، اور سید الشہداء حمزہؓ میرے چچا ہیں" (زرقانی: ج ۱ ص ۲۴۶)

(۲) دوسری اخوت وطنی اور قومی ہے جو ایک ملک کے باشندوں یا ایک قوم کے افراد میں ہوتی ہے۔ اس کے لئے نہ دینی وحدت ضروری ہے، نہ نسبی قرابت بلکہ صرف وطنی اور قومی اشتراک کافی ہے، قرآن پاک میں حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی اور حضرت صالح علیہ السلام کو ثمود کا بھائی اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین کا بھائی اسی اعتبار سے کہا گیا ہے، حالانکہ ان قوموں کے لوگ عموماً کافر تھے جن پر بعد میں عبرت ناک عذاب بھی آئے، مگر باوجود اس کفر کے صرف وطنی اور قومی تعلق کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کو ان کا بھائی کہہ دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے:

(۱) وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ‏ اور ہم نے قوم عاد کی طرف انکے بھائی ہود کو بھیجا

(۲) وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ‏ اور قوم ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو بھیجا

(۳) وَاِلٰی مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ‏ اور مدین والوں کی طرف انکے بھائی شعیب کو بھیجا

ان آیات میں حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کو اپنی اپنی قوم کا بھائی صرف قومی اور وطنی تعلق ہی کی وجہ سے کہا گیا ہے اور اسی حیثیت سے آج بھی غیر مسلم اہل وطن کو برادرانِ وطن کہا جاتا ہے۔

(۳) تیسری اخوت دینی ہے جو ایک دین کے تمام ماننے والوں میں ہوتی ہے، اسی لحاظ سے قرآن عزیز میں "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" (۱) اور حدیث پاک میں "اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ" (۲) فرمایا گیا ہے، یہ اخوت اتنی وسیع ہے کہ اس کی وجہ سے مشرق کا رہنے والا ایک شخص اقصائے مغرب کے ایک باشندے کا اور قطب جنوبی کا رہنے والا ایک انسان قطب شمالی کے رہنے والے دوسرے انسان کا بھائی ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ان کا دین واحد ہو، یہاں تک کہ اس اخوت کے اعتبار سے باپ اور بیٹے، دادا اور پوتے بھی آپس میں بھائی بھائی ہو سکتے ہیں، نیز اس لحاظ سے ہر پیغمبر اپنی امت کا بھائی اور امت کا ہر فرد پیغمبر کا بھائی ہوتا ہے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں کی نسبت ارشاد فرمایا تھا:

وَدِدْتُ اَنَّا قَدْرَاَيْنَا اِخْوَانَنَا (مشکوٰۃ شریف، بحوالہ صحیح مسلم)

"مجھے خواہش ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے"

اور اسی اعتبار سے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب کہ وہ طواف کعبہ یا عمرہ کے لئے مکہ معظمہ جا رہے تھے فرمایا تھا:

یا اخی شینا بشئی من دعائك ولا تنسنا

"اے میرے بھائی ہم کو بھی اپنی دعا میں شریک کر لینا اور ہمیں بھول نہ جانا"

اور جب آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

---

(۱) تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں (۲) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پیام دیا گیا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

أوَ تصلح له وهي ابنة اخيه؟

"کیا عائشہ آپ کی بیوی بن سکتی ہے؟ حالانکہ وہ آپ کے بھائی کی (یعنی میری) بیٹی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

أنت اخي وانا اخوك في الاسلام (زرقانی ج ۳ ص ۲۳۰)

"تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں دین اسلام میں (نہ کہ نسب میں)"

اور شب معراج میں جب آسمانوں پر دوسرے انبیاء علیہم السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی تو اسی دینی وحدت اور رشتہ نبوت کی وجہ سے اکثر نے مَرْحَبًا بالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ کہہ کر آپ کا خیر مقدم کیا، یہاں تک کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے بھی (جو بنا بر قول مشہور آپ کے اجداد میں سے ہیں) حضورؐ کو بھائی کہا۔ (کمافی صحیح البخاری، جز ۱۳)

کیونکہ اس اخوت میں نسبی تعلق کا لحاظ ہی نہیں ہوتا اور عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ اخوت باپ بیٹے اور دادا پوتے میں بھی ہو سکتی ہے۔

(۴) چوتھی اخوت جنسی ہے جو تمام بنی آدم میں پائی جاتی ہے اور اس لحاظ سے تمام بنی آدم کی ایک برادری ہے اور ہر انسان دوسرے انسان کا جنسی بھائی ہے۔

ابوداؤد شریف "کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل اذا

سلم" میں آنحضرت ﷺ سے بعدِ نماز کی جو دعا منقول ہے اس کا ایک جملہ یہ بھی ہے "اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سارے بندے بھائی بھائی ہیں" اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہے۔

كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ

"تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔"

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہو کر یہ شعر مشہور ہے۔

الناس من جهة التمثال اكفاء	ابــوهـــم آدم والأم حـوّاء
سب انسان صورت شکل کے لحاظ سے برابر ہیں۔	آدم علیہ السلام ان سب کے باپ اور حوا سب کی ماں ہیں۔

بہر حال اس اعتبار سے کہ تمام آدمی آدم و حوا کی نسل سے ہیں سب ہی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

اس چوتھی اخوت کا دائرہ سب سے زیادہ وسیع ہے اور اپنی وسعت کے لحاظ سے یہ اللہ کے سارے بندوں کو اور تمام بنی آدم کو محیط ہے اور اس کے اعتبار سے تمام افراد انسان خواہ وہ موجود ہوں یا گزشتہ، مومن ہوں یا کافر، کالے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی، یورپین ہوں یا ایشیائی سب ہی آپس میں نسلی بھائی ہیں۔ اِنَّ العباد كُلّهم اخوة

اس تمہید کے بعد ہم تقویۃ الایمان کی وہ عبارت مع شرح کے پیش کرتے ہیں جس پر افتراء مذکور کی بنیاد رکھی گئی ہے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کی پانچویں فصل میں شرک فی العادات کا رد کرتے ہوئے مشکوٰۃ شریف باب عشرۃ النساء سے ذیل کی حدیث نقل کی ہے اور ساتھ ہی اس کا لفظی ترجمہ بھی کیا ہے جو ہم انہی کے الفاظ میں حدیث کے بالمقابل درج کرتے ہیں۔

اخرج احمد عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا، ان رسول اللّٰہ ﷺ کان فی نفر من المھاجرین والانصار فجاء بعیر فسجد له فقال اصحابه یا رسول اللّٰہ یسجد لك البھائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم۔

"امام احمد نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہؓ نے نقل کیا کہ پیغمبر خدا مہاجرین اور انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبر خدا کو سو ان کے اصحاب کہنے لگے، اے پیغمبر خدا! تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درخت سو ہم کو ضرور چاہیے کہ تم کو سجدہ کریں، سو فرمایا بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔"

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی ممانعت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عبادت صرف اپنے رب کی کرو، اور اپنے بھائی کی یعنی میری تعظیم کرو، پس آپ نے خود ہی اس حدیث میں اپنے کو امتیوں کا بھائی

فرمایا لہٰذا مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اس اخوت کی شرح کریں کہ یہ اخوت کس قسم کی ہے، آیا نسبی ہے یا وطنی، دینی ہے یا جنسی؟

پس چونکہ یہاں اَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ ۔ اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ، کے مقابلہ میں وارد ہوا تھا، اس لئے حضرت شہیدؒ نے جنسی اخوت کو ترجیح دی ہے، چنانچہ حدیث مذکور پر فائدہ لکھتے ہیں کہ:

"یعنی انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اس کو چاہئے"۔

اس عبارت میں معترضین کا بڑا فریب یہ ہے کہ اس میں جو بڑے بھائی کا لفظ آیا ہے وہ اس سے بڑا نسبی بھائی مراد لے لیتے ہیں، حالانکہ ظاہر ہے کہ یہاں بھائی اور بڑے بھائی کے الفاظ سے صرف جنسی بھائی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمام بنی آدم آپس میں جنسی بھائی ہیں ان میں جو بڑے مرتبہ کے ہیں وہ بڑے جنسی بھائی ہیں، اُن کی تعظیم ایسی ہی ہونی چاہئے جو بڑے مرتبہ کے ہم جنس بھائیوں کے لئے سزاوار ہوتی ہے نہ خدا کی سی، چنانچہ آگے چل کر اسی مضمون کو خود اس طرح واضح کرتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء انبیاء، امام زادہ پیر و شہید، یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز، اور ہمارے بھائی مگر اُن کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی

ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں، سوان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے نہ کہ خدا کی سی"۔

ناظرین کرام! تقویۃ الایمان کی مذکورہ بالاعبارت کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ کیا اس میں کہیں بھی صراحۃً یا اشارۃً یہ مذکور ہے کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بس بڑے نسبی بھائی کے برابر ہے اور آپ کی تعظیم صرف بڑے نسبی بھائی کی سی ہونی چاہئے"؟ (معاذ اللہ)

اول تو یہاں کسی خاص شخصیت پر حکم ہی نہیں، حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تو حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں ایک عام اصول بیان فرمایا ہے جو اولادِ آدم کے تمام ذی مرتبہ اور صاحب عظمت ورفعت افراد کے لئے ہے اور اصول بھی ایسا جس کا ہر جز نصوص شرعیہ کے موافق اور امت مسلمہ کے مسلمات میں سے ہے "تقویۃ الایمان" کی مذکورہ بالا پوری عبارت کا ذرا تجزیہ تو کیجئے، تحلیل کے بعد اس میں صرف ذیل کے اجزاء نکلیں گے۔

(الف) سب انسان خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے آپس میں بھائی ہیں۔

(ب) اللہ کے عاجز بندے ہیں۔

(ج) ان میں سے جن کو اللہ نے بڑے مرتبے دیئے وہ بڑے بھائی ہیں۔

(د) ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں۔

(ہ) ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے، نہ کہ خدا کی سی۔

کیا کوئی مسلمان ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرسکتا ہے؟ کیا

سب انسان آپس میں جنسی بھائی نہیں ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد فرماتے تھے "انا شھید ان العباد کلّھم اخوۃ" میں گواہ ہوں کہ تیرے سارے بندے بھائی بھائی ہیں۔

کیا سب انسان خدا کے سامنے عاجز نہیں؟ کیا ان کا وجود اور ان کے سارے کمالات خدا کے عنایت کردہ نہیں؟ کیا وہ ایک لحہ کے لئے بھی خدا سے اپنی بے نیازی ظاہر کر سکتے ہیں؟

جب سارے انسان آپس میں جنسی بھائی ہیں تو کیا جن کو بڑے مرتبے عطا ہوئے وہ بڑے جنسی بھائی نہیں ہوئے؟

کیا ہم ان کے چھوٹے نہیں ہیں؟ کیا ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا گیا؟ کیا ان کی تعظیم بڑے درجہ والے انسانوں کی سی نہیں بلکہ خدا کی سی کی جائے گی؟

آخر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کون سی بات ان میں سے قابل اعتراض ہے۔ فی الحقیقت حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جرم صرف یہ ہے کہ حدیث میں اَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ کا لفظ آیا تھا جس سے صرف اخوت مفہوم ہوتی تھی اور فرقِ مراتب کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ حضرت شہیدؒ نے حضورؐ کے مرتبے کی رفعت کا لحاظ کرتے ہوئے اس جنسی اخوت میں بھی بڑے اور چھوٹے کا فرق ظاہر کر دیا اور یہ بتلا دیا کہ اگرچہ کُل انسان اولادِ آدم ہونے کی حیثیت سے آپس میں بھائی بھائی ہیں لیکن پھر بھی ان میں اصاغر و اکابر (یعنی چھوٹے اور بڑے) کا فرق ہے۔

سو اگر یہی چیز کفر ہے تو بے شک حضرت شہیدؒ کافر ہیں اور ہم بہانگ دہل حضرت شہیدؒ کی طرف سے کہتے ہیں:

ان کان کفرا حب قدر محمد فلیشهد الثقلان انی کافر

"یعنی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت شان کی چاہت ہی کفر ہے تو پھر جن وانس سب گواہ رہیں کہ ہم کافر ہیں۔"

لیکن یہ وہ کفر ہے جس کے طفیل میں ہزاروں گناہ بخشے جاسکتے ہیں۔

خدا گواہ اگر جرم ما ہمیں عشق است
بکفر
گناہ گبر ومسلماں بجرم ما بخشند

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی صفائی میں یہاں ہم کو جو عرض کرنا تھا وہ عرض کیا جاچکا — اب ذرا مخالفین شہیدؒ کی قابلیت اور ذہنیت کا بھی نمونہ دکھانے کو جی چاہتا ہے "تقویۃ الایمان" کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہتوں نے لکھا ہے لیکن ہم گڑے مردوں کو اکھاڑنا پسند نہیں کرتے ہمارے زمانہ میں جو کتاب "تقویۃ الایمان" کے جواب میں ہمارے علم میں سب سے آخر میں لکھی گئی ہے، اور جس کو اہل بدعت اس سلسلہ کی کامیاب ترین کتاب سمجھتے ہیں، وہ مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی کی "اطیب البیان" ہے، وہی مولوی نعیم الدین صاحب جن کو یہ لوگ استاذ العلماء کے گرامی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اب ذرا ان کی استاذی ملاحظہ ہو۔ یہ حضرت تقویۃ الایمان کی عبارت مذکورہ بالا پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعض گستاخ کہا کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے
"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" کہ مومن آپس میں بھائی ہیں، تو
حضورؐ بھی بھائی ہوئے۔ معاذ اللہ اس جاہل سے پوچھو پھر تو باپ
کس کو بتائے گا؟ قرآن کریم نے حضورؐ کو باپ، حضورؐ کی ازواج
طاہرات کو مومنین کی ماں فرمایا۔ اس رشتہ سے مومن بھائی ہوئے"

مولوی نعیم الدین صاحب کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام ایمان والوں کو جو بھائی کہا گیا ہے سو یہ اس حیثیت سے ہے کہ سارے مسلمان دینی لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں اور آنحضرت ﷺ سب کے باپ ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اخوت میں داخل نہیں۔

اس کے جواب میں پہلی بات تو مولوی نعیم الدین صاحب ہی کے رنگ میں یہ معروض ہے کہ یہاں خود انہوں نے تسریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے باپ ہیں" لہٰذا وہ بتلائیں کہ پھر دادا کون ہے؟

خیر یہ تو ان کے سفیہانہ اعتراض کا جواب ان ہی کے طرز پر دیا گیا ہے، لیکن اصلی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ روحانی حیثیت سے امت کے باپ کی جگہ بھی ہیں اور ایمانی اور جنسی حیثیت سے مومنین کے ساتھ آپ کا تعلق اخوت کا بھی ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں، اور یہ دونوں حیثیتیں آپ کے لئے دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں، روحانی ابوت کے لئے نص قرآن "وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّهَاتُهُمْ" (۱) اور حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں "وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ" (۲) کافی

(۱) اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج ایمان والوں کی مائیں ہیں۔ (۲) اور حضورؐ مومنین کے باپ ہیں۔

ہے اور اخوت کے اثبات کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ سے آپ کا ارشاد " اَنْتَ اَخِیْ وَ اَنَا اَخُوْکَ فِی الْاِسْلَامِ "(۱) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لفظ "اُخَیَّ" سے خطاب اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کے حق میں "وَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا (۲) کا روح پرور ارشاد واضح دلیل ہے، اور ان نصوص سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کے عموم میں داخل ہیں، بلکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضورؐ کے ارشاد "اَنْتَ اَخِیْ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ وَ کِتَابِهٖ" کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً لکھا ہے کہ:

اشارةٌ الی قوله تعالی "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" ونحوه (فتح الباری ج ۲۱، ص ۳۷)

"ان میں اشارہ ہے اللہ کے قول اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ اور اس جیسی دوسری آیت کی طرف"

پس ان جیسی تصریحات کے ہوتے ہوئے حضورؐ کی دینی اخوت سے انکار کرنا اور یہ کہنا کہ حضور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کے عموم میں داخل نہیں ہیں اپنی جہالت اور بے علمی کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

مولوی نعیم الدین صاحب نے حضورؐ کی اخوت دینی کا انکار تو کر دیا لیکن پھر خود ہی خیال آیا کہ "تقویۃ الایمان" میں جو حدیث اس موقع پر نقل کی

---

(۱) تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں اسلام میں (۲) مجھے آرزو ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے۔

گئی ہے اس میں اخود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو مومنین کا بھائی کہا ہے تو اس کی زد سے بچنے کے لئے آپ فرماتے ہیں۔

"رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً اپنے آپ کو بھائی فرمایا تو اس کو دلیل بنانا انتہا درجہ کی جہالت ہے"

لیکن سوال یہ ہے کہ حضورؐ نے خواہ تواضعاً ہی فرمایا ہو، لیکن خلاف واقعہ تو نہ فرمایا ہوگا، کیونکہ اللہ کے پیغمبر کی زبان سے مزاح یا تواضع میں بھی کوئی کلمہ خلاف حق نہیں نکل سکتا بہر حال جس طور پر اور جو کچھ آپ نے فرمایا حق ہی فرمایا تو اس سے اخوت یقیناً ثابت اور سوائے دینی یا جنسی اخوت کے اس کی اور کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟

ہاں یہ صحیح ہے کہ اس بنیاد پر عام امتیوں کو حق نہیں ہے کہ وہ حضور ﷺ کو بھائی کے لفظ سے پکاریں لیکن خطاب اور بیان واقعہ میں بہت بڑا فرق ہے، اور تقویۃ الایمان میں بیان حقیقت ہے نہ کہ خطاب اور اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آنحضرت ﷺ بلاشبہ انسان ہیں اور کامل ترین انسان، لیکن خطاب کے موقع پر "انسان" یا "آدمی" کے لفظ سے آپ کو نہیں پکارا جا سکتا۔ حالانکہ آپ کی انسانیت اور بشریت کا عقیدہ رکھنا ضروریات میں سے ہے اور موقع محل سے اس کو بیان بھی کیا جاتا ہے، کہ حضورؐ انسان ہیں آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

بہر حال یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ خطاب اور بیان حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے، پس اسی اصول پر اگرچہ حضور ﷺ کو خطابات میں بھائی نہیں

کہا جا سکتا، لیکن اظہار حقیقت کے موقع پر ضرور کہا جائے گا، کہ دینی لحاظ سے آپ سب مومنین کے اور جنسی حیثیت سے جملہ بنی آدم کے بھائی ہیں۔ اور پھر تقویۃ الایمان کی اس عبارت میں تو خاص حضور اقدس ﷺ کا ذکر بھی نہیں، بلکہ ایک عام بات یہ کہی گئی ہے کہ "انسان آپس میں سب بھائی بھائی ہیں" کیا یہ بعینہٖ حضور ﷺ کے ارشاد "اِنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ" کا ترجمہ نہیں ہے؟

اس بحث کے آخر میں مولوی نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں:

"پھر ستم یہ کہ تقویۃ الایمان والے نے حضورؐ کو صرف مومنین ہی کا بھائی نہیں بلکہ وہ ظالم یہ کہتا ہے کہ انسان آپس میں سب بھائی ہیں، انسان میں تو بھنگی بھی ہیں چمار بھی، کنجر بھی ہیں، کافر بھی، مردود نے سب کا بھائی بتا دیا"۔

ناظرین کرام پہلے تو ان استاذ العلماء کی تہذیب و شائستگی کی داد دیں اس کے بعد علم و فہم کی، ان استاد بزرگوار کے نزدیک یہ کہنا کہ "انسان آپس میں سب بھائی بھائی ہیں"۔ گویا اس کے برابر ہے کہ انبیاء و اولیاء وغیرہم کو معاذ اللہ کافروں، کنجروں، بھنگی چماروں کا بھائی بنایا جائے، حضرت شہیدؒ کے خلاف کتاب لکھنے کا تو شوق ہے مگر یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ عنوان اجمالی اور عنوان تفصیلی میں بعض اوقات کیسا کیسا فرق ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں حق تعالیٰ کو "خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ" کہا گیا ہے اور بے شک وہ ہر چھوٹی بڑی، اچھی بری چیز کا خالق ہے، لیکن تفصیلی رنگ میں

اس کو بندروں اور سوروں کا خالق کہنا حرام ہے کیونکہ اس عنوان تفصیلی میں بے ادبی ہے، ایسے ہی یہ کہنا کہ سب انسان آپس میں بھائی ہیں، بالکل درست ہے، بلکہ حدیث نبوی " اِنَّ الْعِبَادَ کُلُّهُمْ اِخْوَةٌ" کا صریح مفاد ہے، لیکن تفصیلی رنگ میں یوں کہنا معاذ اللہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کافروں، کنجروں، بھنگی، چماروں کے بھائی ہیں حرام ہے اور ان مقدسین کی شان میں بے ادبی اور بدتمیزی، مگر ان استاذ العلماء کے نزدیک یہ سب برابر ہے۔

"بریں عقل و دانش بباید گریست"

ناظرین کرام کو "تقویۃ الایمان" کی عبارت کا صحیح مطلب بھی معلوم ہو چکا اور مفتریوں کی افترا پردازی بھی معلوم ہو گئی، اب ہم آخر میں مزید طمانیت کے لئے حضرت شہیدؒ کی بعض وہ عبارات بھی نقل کرتے ہیں، جن سے معلوم ہو سکے گا کہ حضرت شہیدؒ کے نزدیک حضور سرور عالم ﷺ کا مرتبہ کیا ہے، تقویۃ الایمان کی اسی بحث میں عبارت مذکورہ سے دو تین ہی صفحہ کے بعد مرقوم ہے:

"ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں، کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں" (تقویۃ الایمان: ص ۴۳)

پھر چار پانچ صفحہ کے بعد ایمان بالرسول کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اور اللہ کے رسول پر یقین لانا یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ کا، اور بندہ کا مقبول، سب مخلوق سے کمالات اور خوبیوں میں افضل جانے، اور جو بات رسول فرمادے اس کے بجالانے میں اللہ تعالی کی مرضی سمجھے، اور رسول کے حکم کو سب مخلوق کے حکم سے مقدم کرے اور اس میں اپنی عقل ناقص کو دخل نہ دے، اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی کا حکم نہ مانے اور اس کے فرمودہ کو برحق جانے پھر اس بات میں ایسا مضبوط ہو جاوے کہ کبھی شبہ نہ آوے" (تقویۃ الایمان: ص۷۹)

ناظرین باانصاف ملاحظہ فرمائیں، کیا بڑے نسبی بھائی کے بھی یہی احکام ہیں؟ کیا اس کا بھی یہی درجہ ہے؟ کیا اس پر بھی اس طرح ایمان لانا ضروری ہے؟ اور کیا جس شخص کی زندگی کا نصب العین ہی احیاء سنت ہو اور سنت رسول کی سربلندی ہی کے لئے اس نے ابنائے زمانہ سے جنگ بھی خریدی ہو اور پھر رسول اللہ ﷺ ہی کے لائے ہوئے دین کی حمایت میں اس نے اپنی جانِ عزیز بھی قربان کردی ہو، کیا اس کے متعلق بھی یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض بڑے نسبی بھائی کی سی ہے؟ معاذ اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

چنیں کردند وحلقے درتماشا ہمیں گفتند حاشا ثم حاشا

کزیں روئے نکو بدکاری آید وزیں دلدار دل آزاری آید

حضرت شہیدؒ پر تیسرا بہتان

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر اہل بدعت کا ایک یہ بھی بہتان ہے کہ ان کے نزدیک (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء کرام چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔ (نعوذ باللّٰہ من ذلک)

اس ناپاک اور گندے بہتان کا مختصر جواب تو یہی ہے کہ "سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ" تعجب ہے ان افتراپردازوں کی ذلیل ذہنیت پر کہ وہ کس طرح قانون انسانیت اور آئین شرافت سے آزاد ہو کر ایسی لغو اور بے اصل باتیں منہ سے نکال دیتے ہیں۔

پہلے ہم اپنے ناظرین کے سامنے حضرت شہیدؒ کی وہ پوری عبارت پیش کرتے ہیں جس پر اس ناپاک بہتان کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

"تقویۃ الایمان" کی فصل اول میں (جس کا موضوع شرک کی مذمت ہے) حضرت شہیدؒ لکھتے ہیں:

وَاِذْقَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ط اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○

"ترجمہ: اور (فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ لقمان میں) جب کہا لقمان

نے اپنے بیٹے کو، اور وہ نصیحت کرتا تھا اس کو، اے بیٹے میرے
مت شریک بنا اللہ کا، بیشک شریک بنانا اس کا بڑی بے انصافی ہے"
ف: یعنی اللہ صاحب نے لقمان کو عقل مندی دی تھی، سو
انہوں نے اس سے سمجھا کہ بے انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق کسی
کو پکڑا دینا، اور جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے
سے بڑے کا حق ذلیل سے ذلیل کو دے دیا، جیسے بادشاہ کا
تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجئے اس سے بڑی بے انصافی
کیا ہوگی اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا
وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"۔

بہتان مذکور کی بنیاد اسی اخیر فقرے پر ہے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔
کہ اس میں کہیں بھی کسی نبی یا ولی کا ذکر نہیں، بلکہ اجمالی رنگ میں صرف یہ کہا
گیا ہے کہ "وہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی
ذلیل ہے"۔

اور اس سے پہلی بحث میں ابھی ہم بتلا چکے ہیں کہ بعض اوقات اجمالی
عنوان اور تفصیلی عنوان میں بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے، مثلاً قرآن مجید میں متعدد
جگہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انسان کو ذلیل اور ناپاک پانی سے پیدا کیا گیا ہے،
چنانچہ سورہ سجدہ کے پہلے رکوع میں ہے:

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ

مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ ٥

اور سورہ مرسلات میں ہے: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ ٥

بہر حال ان آیتوں میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ انسان کی تخلیق ایک بے قدرے اور ذلیل پانی سے ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تخلیق بھی اسی عام قانون فطرت کے ماتحت ہوتی ہے لیکن بایں ہمہ تخصیص کر کے یہ کہنا سوء ادبی ہے کہ انبیاء علیہم السلام ناپاک اور ذلیل پانی سے پیدا ہوتے ہیں:

اور مثلاً قرآن عزیز میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ٥

"ہم نے اپنی امانت کو آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے تحمل سے انکار کر دیا اور وہ اس سے خائف ہوئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا۔"

ظاہر ہے کہ امانت الہیہ کے اٹھانے والے انسانوں میں سب سے پہلا نمبر حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے، بلکہ دوسروں تک وہ امانت انہی کے ذریعہ سے پہنچی ہے لیکن بایں ہمہ تعین کے ساتھ اور تفصیلی رنگ میں انبیاء علیہم السلام کو "ظلوم وجہول" کہنا سخت حرام بلکہ موجب کفر ہے۔

الغرض یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ عنوان اجمالی و تفصیلی کی ہمیشہ ایک ہی حیثیت نہیں ہوتی، اور ضروری نہیں ہے کہ اگر کسی چیز کے عنوان تفصیلی میں کوئی قباحت ہو تو اس کے اجمالی عنوان میں بھی وہی قباحت ہو۔ پس تقویۃ الایمان میں اس موقع پر جو کہا گیا ہے وہ اجمالی رنگ میں اتنا ہی کہا گیا ہے کہ "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے" یہاں انبیاء و اولیاء صالحین و مقربین کی کوئی تفصیل نہیں۔

نیز یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ مصنف تقویۃ الایمان کا مقصد اس پوری عبارت سے خالق و مخلوق کے مرتبہ کا فرق بیان کرنا ہے نہ کہ مخلوقات کے باہمی درجوں کا فرق ظاہر کرنا اور حاصل ان کی عبارت کا صرف یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے باعزت لوگوں، بادشاہوں، نوابوں، شریفوں، اور امیروں کے مقابلہ میں چمار جس طرح کم حیثیت اور ذلیل و حقیر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمام مخلوق کی حیثیت ہے بلکہ اس سے بھی کمتر، کیونکہ چمار اور ان دوسرے لوگوں میں پھر بھی بہت سی چیزوں میں اشتراک ہے، مثلاً چمار بھی انسان ہے، اور ہر امیر و بادشاہ بھی انسان ہی ہوتا ہے، بیچارہ چمار بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ بڑے لوگ بھی بالکل اسی طریقہ سے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں، پھر جس طرح وہ کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی اس کے ضرورت مند ہوتے ہیں، پھر مرنے اور دنیا سے جانے کا بھی سب کا طریقہ ایک ہی ہے۔ بہر حال چمار اور دوسرے معزز لوگوں میں بہت سی مشترک

حیثیات نکالی جاسکتی ہیں، بخلاف خالق ومخلوق کے کہ مخلوق کے کسی بڑے سے بڑے فرد کو بھی حق تعالیٰ کے ساتھ کوئی شرکت نہیں۔

الغرض تقویۃ الایمان میں مخلوق کا مرتبہ خدا کے مقابلہ میں بیان کیا گیا ہے، اور کوئی باایمان اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ چمار یا کسی دوسری ذلیل ہستی کے مقابلہ میں دنیا کے دوسرے لوگوں کو جو عزت وعظمت حاصل ہوتی ہے، حق تعالیٰ کو اپنی تمام بڑی چھوٹی مخلوق پر اس سے بہت زیادہ بلندی اور رفعت حاصل ہے کہ مخلوق مخلوق ہی ہے اور خالق خالق ہی ہے۔ صحیح بخاری شریف ودیگر کتب حدیث میں یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے ساتھ کشتی میں دریا کا سفر کر رہے تھے تو ایک چڑیا (کنجشک) آئی اور اس نے ایک یا دو مرتبہ سمندر میں چونچ ڈالی تو حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا:

مَاعِلْمِیْ وَعِلْمُكَ فِیْ جَنْبِ عِلْمِ اللّٰہِ اِلاَّ کَمَا اَخَذَ ھٰذَا الْعُصْفُوْرُ بِمِنْقَارِہٖ مِنَ الْبَحْرِ

''میرا اور آپ کا علم اللہ کے مقابلہ میں بس اتنا ہے جتنا کہ اس چڑیا نے سمندر سے پانی لے لیا۔''

تو کیا کوئی بدنصیب مفتری اس حدیث کی وجہ سے حضرت خضرؑ کے متعلق کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اور حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کے علم کو چڑیا کی چونچ کی نمی کے برابر بتلا دیا؟

فی الحقیقت کوئی مخلوق اپنی ذات کے لحاظ سے کیسی ہی با کمال کیوں نہ ہو لیکن کمالات الٰہیہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ (جل جلالہ)

الغرض اس چیز سے کسی ایمان والے کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقربین بارگاہ خداوندی کو کم حیثیت اور حقیر جاننا اگرچہ سخت وبال اور بدترین کفر و ضلال ہے لیکن حق تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کو کم حیثیت سمجھنا بالکل درست اور تقاضائے ایمان ہے۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں تصوف کے معنی بیان کرتے ہوئے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

هو تجريد القلب لله و احتقار ماسواه بالنسبة لعظمته سبحانه و الا فاحتقار نحو نبي كفر

(زرقانی ج ۱ ص ۱۰۴)

"تصوف اس کا نام ہے کہ قلب کو صرف اللہ کے لئے خالی کر دے اور اس کے عظمت و جلال کے مقابلہ میں تمام ماسوا کو حقیر جانے (اور یہ حقیر سمجھنا خدا ہی کے جلال و جبروت کے لحاظ سے ہو) ورنہ نبی اور اس جیسے دوسرے مقربین کو (فی نفسہ) حقیر جاننا تو کفر ہے"

اور واضح رہے کہ تقویۃ الایمان کی جتنی عبارتوں پر اہل بدعت نے اعتراضات کیے ہیں، ان میں سے بیشتر وہی ہیں جن میں حق تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کی مخلوق کی کمتری اور لاچاری و بیچارگی ظاہر کی گئی ہے، کیونکہ تقویۃ الایمان جس

طبقہ کی اصلاح کے لئے لکھی گئی ہے وہ وہی ہے جو انبیاء و اولیاء، ائمہ و شہداء کو خدائی اختیارات کا حامل سمجھتا ہے۔ اور انہی کے لئے نذریں اور منتیں مانتا ہے۔ ان ہی سے مرادیں مانگتا اور حاجتیں طلب کرتا ہے، ان ہی کو ہر قسم کے نفع و نقصان اور موت و حیات تک کا مالک و مختار سمجھتا ہے، اور جو کاغذ اور بانس سے بنے ہوئے ہر تعزیے اور اینٹ چونے سے بنی ہوئی ہر پختہ اور اونچی قبر کے آگے سر نیاز جھکا دیتا ہے جو سدّ و اور بھوانی کا بکرا بھی کر دیتا ہے، اور جو سیتلا مائی اور لونا چماری کو بھی پوج لیتا ہے بہرحال تقویۃ الایمان کا اصلی مخاطب یہی مسلم نما مشرک طبقہ ہے اور اسی کی اصلاح کے لئے وہ لکھی گئی ہے اسی واسطے اس میں اس قسم کے مضامین زیادہ ہیں، وہ طبقہ اس کا مخاطب نہیں ہے جو مقربین بارگاہ حق کی عظمت اور ان کی قدر و منزلت کا منکر ہو، ایسے لوگوں کے لئے حضرت شہید علیہ الرحمہ نے دوسری کتاب ''منصب امامت'' لکھی ہے اور اس میں حضرات انبیاء کرام و ائمہ عظام علیہم السلام کے فضائل جلیلہ اور مناصب رفیعہ ہی کا بیان ہے۔

الغرض اہل بدعت کے اکثر اعتراضات کی بنیاد ان ہی دو مغالطوں پر ہے کہ وہ اجمال و تفصیل میں کوئی فرق نہیں کرتے اور مقربین بارگاہ قدس کو فی نفسہ کمتر سمجھنے اور حق جل جلالہ کے مقابلہ میں کم حیثیت جاننے میں کوئی فرق نہیں سمجھتے اور اسی بے بصیرتی کا نتیجہ ہے کہ جہاں وہ دیکھتے ہیں کہ کسی نے تمام مخلوق کو عموماً حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کمتر اور فروتر بتلا دیا، یا خاص ان ہستیوں کو جو خدا کے مقابلہ میں آج پوجی جا رہی ہیں، اور جن کے لئے علم غیب اور قدرت

نامہ ثابت کی جا رہی ہے کسی نے خدا کی نسبت سے کم علم یا عاجز ولاچار کہہ دیا تو بس انہوں نے سمجھا کہ ان کی اہانت ہو گئی اور یہ مصنف کافر ہو گیا، حالانکہ یہ چیز جس کو انہوں نے کفر اور اہانت انبیاء سمجھا ہے، اجزاء ایمان میں سے ہے۔

تقویۃ الایمان کی اسی عبارت کو دیکھ لیجئے جو اس وقت زیر بحث ہے اس میں شرک کی بُرائی واضح کرنے کے لئے صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غایت عظمت و رفعت میں ہے اور اس کی مخلوق اس کے بالمقابل انتہائی ذلت اور پستی میں، پس اللہ کا حق اس کی کسی مخلوق کو دے دینا ایسی ہی بے ہودگی اور بے انصافی ہے جیسا کہ بادشاہ کا تاج کسی چمار کے سر پر رکھ دیا جائے بلکہ اس سے بھی بدر جہا زیادہ کیونکہ بادشاہ کے مقابلہ میں چمار جس قدر ذلیل و پست ہے اللہ ذوالجلال کی تمام مخلوقات اس کی عظمت و جبروت کے مقابلہ میں اس سے کہیں زیادہ فروتر اور پست ہے کیونکہ چمار اور بادشاہ پھر بھی دونوں انسان ہیں اور دونوں ہی اللہ کی مخلوق ہیں مگر اللہ عزوجل اور اس کی کسی مخلوق میں اتنی بھی شرکت نہیں۔

یہ مضمون بالکل سیدھا اور صاف اور خالص ایمانی مضمون ہے مگر اہل بدعت کی شرک پسند نظروں میں یہی خار ہے۔ ع

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است"

ہم امید کرتے ہیں کہ ان دونوں مغالطوں کی حقیقت سے باخبر ہو جانے کے بعد کسی منصف مزاج ناظر کو تقویۃ الایمان کی اس عبارت بلکہ اس جیسی دوسری عبارتوں پر بھی کوئی شبہ نہ رہے گا۔

اخیر میں ہم چند اور مسلم بزرگ ہستیوں کی کچھ عبارات پیش کرتے ہیں جو تقویۃ الایمان کی اس عبارت سے بہت زیادہ قریب بلکہ بالکل اسی کے ہم معنی ہیں، دیکھئے حضرات معترضین ان کے متعلق کیا فتویٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''روض الریاحین کبیر'' کے آخر میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ:

''تمام مخلوقات ملائکہ، جن وانس، عرش وکرسی، لوح وقلم، زمین وآسمان وغیرہ وغیرہ اللہ جل جلالہ کی عظمت وکبریائی کے مقابلہ میں رائی کے دانہ سے بھی حقیر ہیں''۔(ترجمہ)

اور خود حضرت شیخ شہاب الدینؒ کی مشہور کتاب ''عوارف المعارف'' میں ذکرِ ہدایت ونہایت میں مرقوم ہے کہ:

لا یکمل ایمان امرء حتی یکون الناس عنده کالاباعر۔ (عوارف المعارف: ص ۴۵)

کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا، جب تک کہ سب آدمی اس کی نظر میں (عظمت الٰہی کے مقابلہ میں) اونٹ کی مینگنی جیسے نہ ہوں۔

اور حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو اس طرح ادا فرمایا ہے کہ:

''ایمان کسے تمام نہ شود تا ہمہ خلق نزد او ایں چنیں نہ نماید

کہ پشک شتر‘‘ (فوائد الفوائد: ص ۶۱)

مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے اپنی کتاب ’’اطیب البیان‘‘ میں جہاں تقویۃ الایمان کی اس عبارت پر اعتراض کیا ہے وہاں فوائد الفوائد کی اس عبارت کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ فوائد الفوائد حضرت محبوب الٰہیؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ان کے ملفوظات ہیں جو دوسروں نے مرتب کئے ہیں، لہٰذا بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بعینہٖ انہی کے الفاظ ہیں۔ (اطیب البیان: ص ۶۱ ملخصا)

اس کا جواب تو اسی قدر کافی ہے کہ بحث الفاظ کی نہیں، بلکہ مضمون کی ہے اور جب جمع کرنے والے حضرات ثقہ اور سمجھ دار ہوں گے تو خواہ اصلی الفاظ باقی نہ رہیں، لیکن مضمون ضرور محفوظ رہے گا، علاوہ ازیں اگر اس سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو بھی مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ عذر ناکافی اور ان کے لئے بالکل غیر مفید ہے، کیونکہ ان ملفوظات کے مرتب کرنے والے حضرت خواجہ میرحسن علا سنجری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور وہ بھی مشاہیر اولیاء میں سے ہیں اور ان کے الفاظ سے استناد بھی ویسی ہی قوت رکھتا ہے جیسی کہ حضرت محبوب الٰہی کے اقوال وارشادات سے، پس اگر یہی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ عبارت فوائد الفوائد کے مرتب خواجہ امیرحسن سنجریؒ کی ہے جب بھی ہمارا مدعا اس سے ثابت ہے۔

اس عبارت کا دوسرا عجیب وغریب جواب مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ دیا ہے کہ اس میں ہمہ خلق کا لفظ ہے اور تقویۃ الایمان میں ہر مخلوق بڑا ہو یا

چھوٹا کہہ کر خاص اکابر پر حملہ کیا ہے۔" (اطیب البیان: ص ۲٦١ ملخصاً)

اس کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کیا کہیں کہ اہل علم اور ارباب فہم اہل بدعت کے ان استاذ العلماء کے اس استادانہ جواب کو بار بار اور بغور دیکھیں، اور ان کی استاذی کی داد دیں، معمولی اردو داں بھی سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں تعبیروں میں کوئی خاص فرق نہیں، کیونکہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، اپنے اندر جو عموم رکھتا ہے وہی عموم ہمہ خلق کے لفظ میں بھی ہے اور جس طرح ہمہ خلق کا لفظ انبیاء و اولیاء وغیرہم مقربین بارگاہ الٰہی کے ذکر سے خالی ہے، اسی طرح ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا، وہ بھی اس تفصیل سے خالی ہے، پھر ایک کو کفر کہنا اور دوسرے کو اسلام سمجھنا عجیب منطق ہے، بہر حال مولوی نعیم الدین صاحب کے یہ دونوں جواب نہایت لچر اور مہمل ہیں۔

اور ہمارے خیال میں اصلی روگ صرف یہ ہے کہ ان کوتاہ اندیشوں کی سمجھ میں یہ چیز آتی ہی نہیں کہ حق تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے اس قدر اعلیٰ و ارفع کیسے ہو سکتا ہے اور فی الحقیقت جو شخص حضرت شیخ جیلانیؒ اور خواجہ اجمیریؒ و دیگر اولیاء اللہ کو حاجت رواء اور مشکل کشا سمجھتا ہو، وہ کبھی رب العزت جل جلالہ کی عظمت و کبریائی کا صحیح تصور کر ہی نہیں سکتا۔ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ

وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ○

''افسوس کہ ان لوگوں نے حق تعالیٰ کی کما حقہ عظمت نہ کی حالانکہ اس کی تو وہ شان ہے کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپیٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے۔

یہ بیچارے کیا جانیں کہ عارف کے قلب پر جب حق جل جلالہ کی عظمت وجلال کا انکشاف ہوتا ہے تو ساری مخلوق اس کی نظر میں چمار یا رائی ہی کی طرح ہیچ نہیں بلکہ معدوم نظر آتی ہے، گویا اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، حضرت نظامی گنجوی'' فرماتے ہیں۔

پناہ بلندی وپستی توئی　　　ہمہ نیست اندانچہ ہستی توئی

اور سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

چو سلطان عزت قلم برکشد　　　جہاں سربجیب عدم درکشد

اور قدوۃ العارفین قطب الاقطاب حضرت خواجہ شرف الدین احمد یحیی منیری رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

''چوں عظمت وعزت وبے نیازی او نظر کنی ہمہ موجودات عدم بینی''

آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں اور کیسے جلالی انداز میں فرماتے ہیں:

''اگر خواہد در ہر لحظہ صد ہزار ہمچوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیافریندہ ہر نفسے از انفاس ایشاں قاب قوسین وبدر جلال

اوذرہ زیادت نگردد، واگر خواہد در ہر نفسے صد ہزار چوں فرعون بیافریند تا دعویٰ آفار بکم الاعلیٰ کنند در جمال وکمال اوذرہ کم نگردد" (مکتوبات حضرت مخدوم یحیٰ منیری، مکتوب ۳۵)

فرمائیں مفتیان بریلی کہ ان تمام اکابر اولیاء اللہ کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

اخیر میں ہم ایک عبارت سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اور پیش کرتے ہیں اس میں حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ تقویۃ الایمان کی زیر بحث عبارت سے بھی زیادہ واضح اور ایمان افروز وشرک سوز ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اجعل الخليقة اجمع كرجل كتفه سلطان عظيم ملكه شديد امره مهوله شوكته و سطوته ثم جعل الغلة فى رقبته مع رجليه ثم صلبه على شجرة الارف على شاطئى نهر عظيم مرجه فسيخ عرضه عميق غوره شديد جريه، ثم جلس السلطان على كرسى عظيم قدره عال سماء ه بعيد مرامه ووصوله وترك الى جنبه احصالامن لهام والرماح والنبل وانواع السلاح والقسى مما لا يبلغ قدرها غيره فجعل يرمى المصلوب بما شاء من ذلك من السلاح۔ (فتوح الغیب مقالہ سابعہ عشر)

"تمام مخلوق کو اس (مجبور و بے بس) شخص کی طرح سمجھو جس کو کسی ایسے بادشاہ نے گرفتار کرلیا ہو جس کا ملک بڑا اور حکم سخت ہو اس کا دبدبہ اور غلبہ خوفناک ہو، پھر اس بادشاہ نے اس اسیر بلا کے پیروں اور گردن کو طوق سے جکڑ دیا ہو، پھر صنوبر کے درخت پر اس کو ایک بڑے مواج اور متلاطم اور نہایت وسیع و عریض خوفناک دریا کے کنارے سولی پر چڑھایا ہو، پھر وہ بادشاہ ایک عالی شان کرسی پر بیٹھ جائے اور اپنے ایک جانب تیر و کمان اور نیزہ و پیکان اور دیگر انواع و اقسام کے ہتھیاروں کے لاتعداد انبار رکھ لے پھر وہ اس گرفتار شدہ اور سولی پر چڑھے ہوئے شخص پر ان ہتھیاروں میں سے اپنی حسب خواہش چلائے (پس جس طرح اس صاحب سطوت و شوکت بادشاہ کے مقابلے میں یہ سولی چڑھا شخص بے بس اور لاچار ہے، اسی طرح تمام مخلوق خداوند قدوس کے سامنے عاجز و بے بس ہے۔)"

غور فرمایا جائے حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں حق جل مجدہ کے جلال و جبروت اور اس کے مقابلہ میں اس کی تمام مخلوق کی عاجزی اور لاچاری اور ذلت و پستی کا جو شرک سوز نقشہ کھینچا ہے کیا اس میں اور تقویۃ الایمان کے مندرجہ بالا مضمون میں کوئی فرق ہے؟ پھر کیا حضرت شہیدؒ کو کافر کہنے والے بریلی کے مفتی صاحبان اور مراد آباد کے استاذ العلماء حضرت شہیدؒ کے ساتھ حضرت غوث اعظم کی بھی تکفیر کریں گے؟

حضرت شہیدؒ پر چوتھا بہتان

حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر دشمنانِ توحید وسنت کا ایک مشہور بہتان یہ بھی ہے کہ وہ مسئلہ حیات النبی کے منکر ہیں اور (معاذ اللہ) ان کا عقیدہ ہے کہ آپ کا جسدِ اطہر بھی گل کر مٹی ہو جانے والا ہے، حضرت شہیدؒ کی جس عبارت پر اس ناپاک بہتان کی بنیاد رکھی جاتی ہے وہ تقویۃ الایمان کی پانچویں فصل کے آخر میں قیس بن سعد کی ایک حدیث کی تشریح میں لکھی گئی ہے، جس کو صاحب مشکوٰۃ نے کتاب النکاح باب عشرۃ النساء میں ابوداؤد کی تخریج سے نقل کیا ہے، ہم ناظرین کے سامنے وہ اصل عبارت سیاق وسباق کے ساتھ ابھی پیش کریں گے اور خود ناظرین دیکھ لیں گے کہ ایسا بہتان لگانے والے کیسے ظالم اور ناخدا ترس ہیں۔

پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تقویۃ الایمان دراصل ان بگڑے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح کے لئے لکھی گئی ہے جن کو مولانا شہیدؒ نے اپنے زمانہ میں اس حال میں دیکھا کہ مسلمان کہلانے کے باوجود وہ طرح طرح کے شرکوں میں گرفتار ہیں، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے، تقویۃ الایمان کے اصل مخاطب ایسے ہی لوگ ہیں، اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی بات

سمجھانے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ پہلے ردِ شرک اور بیان توحید کے سلسلہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث لکھتے ہیں، پھر اس کا ترجمہ کرتے ہیں، پھر فائدہ کی ف لکھ کر اس کے مطلب کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

چنانچہ اپنے اسی طریقہ کے مطابق انہوں نے اللہ کے سوا کسی زندہ یا مردہ ہستی کو سجدہ کرنے کی برائی اور شرعاً اس کا حرام وممنوع ہونا ثابت کرنے کے لئے پہلے تو قیس بن سعد کی حدیث مشکوٰۃ سے نقل کی، پھر اس کا لفظی ترجمہ لکھا اور اس کے بعد "ف" لکھ کر اس کی مزید تشریح کی، ہم ذیل میں پہلے وہ حدیث اور مولانا شہید ہی کا لکھا ہوا ترجمہ لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں:

عن قیس بن سعد قال اتیت الحیرة فرایتهم یسجدون لمرزبان لهم فقلت لَرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم احق ان یسجد له فاتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقلت فانی اتیت الحیرة فرایتهم یسجدون لمرزبان لهم فانت احق ان یسجدلك فقال ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجده له فقلت لا فقال لا تفعلوا۔ (تقویۃ الایمان ص ۷۰، مطبوعہ رحمانی پریس دہلی)

"قیس بن سعد نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام

حیرہ ہے، سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں
اپنے راجہ کو، سو کہا میں نے البتہ پیغمبر خدا زیادہ لائق ہیں کہ
سجدہ کیجئے ان کو، پھر آیا میں پیغمبر خدا کے پاس، پھر کہا میں نے
کہ گیا تھا میں حیرہ میں سو دیکھا میں نے ان لوگوں کو سجدہ
کرتے ہیں اپنے راجہ کو سو تم بہت لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم تم کو،
تو فرمایا مجھ کو؟ بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ
کرے تو اس کو، کہا میں نے نہیں، فرمایا تو مت کرو۔''

حدیث، اصل متن اور اس کا لفظی ترجمہ آپ کے سامنے ہے، جس کا
حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی قیس بن سعدؓ اپنے ایک
سفر میں حیرہ نامی شہر میں گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے شہر کے
حاکم اور سردار کو سجدہ کر کے اس کی تعظیم بجالاتے ہیں، ان کے دل میں یہ
خیال آیا کہ ہمارے آقا اور ہادی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور
درجہ تو بہت ہی بلند ہے لہٰذا آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ سجدہ کے ذریعہ
آپ کی تعظیم کی جائے چنانچہ جب یہ اپنے سفر سے مدینہ واپس آئے تو حضورؐ
سے وہاں کا وہ مشاہدہ اور اپنا خیال عرض کیا اور گویا آپ سے سجدہ کی اجازت
چاہی، آپ نے ان سے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا میری وفات کے بعد تم
میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے؟ انہوں نے کہا قبر کو تو میں سجدہ نہیں کروں گا، آپ
نے فرمایا تو اسی طرح اب بھی نہ کرو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیس بن سعد کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ سوال ان سے کیا کہ "کیا میری قبر کو بھی تم سجدہ کرو گے؟" اس سے آپ کا اصل مقصد ومنشا کیا تھا اور آپ ان کو کیا بتانا چاہتے تھے۔

شارحین حدیث نے پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ نے یہ سوال کر کے ان کو بتانا چاہا کہ میں تو ایک بندہ اور ایک فانی ہستی ہوں، آج زندہ ہوں اور اس زمین کے اوپر ہوں لیکن ایک دن آئے گا کہ یہ زندگی ختم ہوگی اور میں قبر میں دفن کیا جاؤں گا اور پھر اگر تمہارا گزر کبھی میری قبر پر ہوگا تو تم بھی اس وقت مجھے قابل سجدہ نہ سمجھو گے، پس خود ہی سمجھ لو کہ جس ہستی کا یہ حال ہو اس کو سجدہ کیوں کر روا ہو سکتا ہے، سجدہ تو بس اسی حی وقیوم کا حق ہے جس کے لئے کبھی فنا اور موت نہیں۔

علامہ علی قاری اپنی شرح مشکوٰۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال " أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي " کا مقصد ومنشا ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(فقال لی) اظهار العظمة الربوبيه واشعار الذلة العبودية" (ارایت الخ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شان الوہیت وربوبیت کی عظمت ورفعت ظاہر کرنے کے لئے اور شان عبودیت کی ذلت وپستی بتانے

کے لئے قیس بن سعد سے سوال کیا تھا کہ بتاؤ اگر کبھی میری قبر پر تمہارا گزر ہوگا تو کیا تم اس کو بھی سجدہ کرو گے؟

پھر یہی علامہ علی قاری اسی حدیث کی تشریح میں علامہ طیبی سے نقل کرتے ہیں

أی أسجد الحي الذی لا یموت ولمن ملکه لا یزول فانك انما تسجد لی الآن مهابة واجلالا فاذاصرت رهین رمس امتنعت عنه۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: ج ۳ ص ۴۶۹)

''سجدہ صرف اس زندہ وجاوید ہستی کو کرنا چاہئے جس کے لئے کبھی فنا اور موت نہیں اور جس کی بادشاہت کو کبھی زوال نہیں اور اس وقت تم مجھے صرف میری ہیبت اور جلالت سے متاثر اور مرعوب ہو کر سجدہ کرنا چاہتے ہو، پس جب میں مرنے کے بعد قبر میں رکھ دیا جاؤں گا تو تم خود مجھے سجدہ کرنا نہ چاہو گے۔''

ان عبارات وتصریحات کا حاصل یہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعدؓ کے سامنے اپنی قبر کا ذکر کر کے جو سوال ان سے کیا اس سے آپ کا مقصد ونشاء اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت وربوبیت کی بلندی اور اپنی اور سارے بندوں کی شانِ عبودیت کی پستی اور فنائیت کا ظاہر کرنا تھا، اور بقول علامہ طیبی اس سارے سوال وجواب کا حاصل یہ ہوا کہ آپ نے قیس بن سعدؓ کو

بتایا کہ حیرہ والوں کے رواج کو دیکھ کر مجھے سجدہ کرنے کا جو خیال تمہارے دل میں پیدا ہوا، یہ اس وقت کی میری ہیبت اور جلالت کی وجہ سے ہے جب کہ میں تمہارے سامنے اپنی موجودہ حیثیت کے ساتھ موجود ہوں لیکن کل جب مجھ پر موت وارد ہو جائے گی اور مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا تو خود تم بھی مجھے سجدہ کرنے کا ارادہ نہ کرو گے اور میری قبر کو سجدہ کے قابل نہ سمجھو گے، لہٰذا سجدہ صرف اسی ذات پاک کو کرو جو حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ہے اور جس کا جلال لازوال ہے۔

اب سنئے کہ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا منقولہ بالا متن اور ترجمہ لکھنے کے بعد فائدہ کی ف لکھ کر بعینہٖ یہی بات اپنے ان سادہ اور عام فہم لفظوں میں لکھی ہے۔

> ''یعنی میں بھی مر کر ایک دن مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے کبھی۔'' (تقویۃ الایمان)

بس یہی وہ فقرہ ہے جس کو بنیاد بنا کر مولانا شہیدؒ کے ناخدا ترس دشمن، عوام میں شہور مچاتے ہیں کہ مولانا موصوف ''حیاۃ النبی'' کے منکر ہیں اور (معاذ اللہ) آپ کے جسد اطہر کے مٹی ہو جانے کے قائل ہیں ''سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ''

اصل عبارت ناظرین کے سامنے ہے اس میں مٹی میں ملنے کا لفظ ہے، مٹی ہو جانے کا لفظ نہیں ہے اور مٹی میں ملنا یہ قدیم اردو زبان کا ایک محاورہ ہے جو قبر میں دفن ہونے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اردو کے مستند لغات ''نور اللغات'' اور ''فرہنگ آصفیہ'' دونوں میں مٹی میں ملانے کے ایک معنی دفن کرنا لکھے ہیں اور فرہنگ آصفیہ میں نسیم دہلوی کا یہ شعر بھی استشہاد میں لکھا ہے۔ ؎

نسیم اعدا سے شکوہ کیا پس از مرگ
ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا

ظاہر ہے کہ مٹی میں ملانے کا مطلب یہاں صرف دفن کرنا ہی ہوسکتا ہے پس مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس فقرہ کا مطلب کہ ''میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں'' یہی ہے کہ میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں دفن ہونے والا ہوں، اور یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو شارح مشکوٰۃ علامہ طیبی نے ان لفظوں میں ادا کی ''فاذا صرت رھین رمس'' یعنی جب میں قبر میں رکھ دیا جاؤں گا۔ (مرقاۃ ج۹ص۱۶۹)

بہرحال تقویۃ الایمان کے ان الفاظ کی بنا پر یہ شور مچانا کہ مولانا شہیدؒ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے گل کے مٹی ہوجانے کے قائل ہیں، اس کے سوا کیا کہا جائے کہ سراسر شرارت اور خباثت ہے۔

ممکن ہے عوام کو دھوکا دینے کے لئے صداقت و دیانت کے یہ دشمن کہیں کہ تقویۃ الایمان کی اس عبارت میں حضور سرور دو عالم ﷺ کے لئے مرنے کا لفظ استعمال کیا ہی گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مصنف آنحضرت ﷺ کی حیات پر عقیدہ نہیں رکھتا بلکہ آپ کی موت کا قائل ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسئلہ ''حیات النبی'' کی حقیقت پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ کی حقیقت

تمام اُمت کے نزدیک یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳ رسال اس دنیا میں زندہ رہے، اور ہجرت سے دس سال پورے ہونے پر چندروز مرض وفات میں مبتلا رہنے کے بعد ماہ ربیع الاول ۱۱ ھ میں آپ نے وفات پائی، یعنی اللہ کے حکم سے آپ پر موت وارد ہوئی، پھر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ دفن کیے گئے۔

نیز اس پر بھی امت کا اجماع ہے کہ آپؐ کے لئے موت کا (یعنی مرنے) کا لفظ بولنا جائز ہے اور کوئی شخص ان دونوں باتوں میں اختلاف کر بھی نہیں سکتا کیونکہ قرآن وحدیث میں پوری صراحت کے ساتھ آپ کی وفات کا ذکر موجود ہے اور موت کے لفظ کے ساتھ موجود ہے۔

قرآن مجید سورہ زمر میں فرمایا گیا" اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ " (اے ہمارے رسول آپ بھی ضرور مرنے والے ہیں اور بالیقین آپ کے یہ دشمن بھی مرنے والے ہیں)

اور مشہور حدیث ہے کہ اپنے آخری وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے تھے "لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات"

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے

ہوئے فرمایا: بابی انت وامی لا یجمع اللّٰہ علیك موتتین اما الموتۃ التی کُتِبتْ علیك فقدمتھا" (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جو موت طبعی مقدر کی تھی وہ وارد ہو چکی اور آپ وفات پا چکے)

پھر مسجد نبوی میں آکر صحابہ کرامؓ کے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا:

من کان یعبد محمدا فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللّٰہ فان اللہ حیلا یموت (صحیح بخاری)

"جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، انہیں مطمئن رہنا چاہئے کہ اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

بہرحال یہ دونوں حقیقتیں اپنی جگہ پر بالکل مسلّم اور بغیر کسی اختلاف کے پوری امت کی متفق علیہ ہیں کہ حضور پر موت وارد ہوئی، آپ نے وفات پائی اور آپؐ کے متعلق موت (یعنی مرنے) کا لفظ بولنا درست ہے اور قرآن وحدیث میں بولا گیا ہے، اور صحابہ کرام نے بولا ہے۔ اس کے باوجود آپؐ کے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق حیات کا جو عقیدہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم ناسوتی یعنی دنیا میں وفات پا جانے اور مدفون ہونے کے بعد آپ کو برزخی حیات عطا کی گئی جیسے کہ قرآن مجید میں شہداء کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں (بَلْ اَحْیَاءٌ)

امام بیہقیؒ نے مسئلہ حیات انبیاء پر جو مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں انہوں نے اس مسئلہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

(قال البیهقی) ان الانبیاء بعد ماقبضوا ردت الیهم ارواحهم فهم احیاء عندربهم کالشهداء

(زرقانی شرح مواہب ص ۵/۳۳۲)

"(کہا بیہقی نے) انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ وفات کے بعد ان میں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداء کرام۔"

اسی طرح علامہ تقی الدین سبکیؒ نے "شفاء السقام" میں اس مسئلہ حیاۃ النبی پر کلام کرتے ہوئے ان قرآنی آیات اور احادیث و روایات کا ذکر کرنے کے بعد جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ذکر ہے، اور آپ کے لئے موت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لکھا ہے:

"انه أحيى بعدالموت" (شفاء السقام)

یعنی آپ کو موت کے بعد (برزخ میں) دوسری حیات عطا کی گئی۔"

الغرض حیاۃ النبی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ حضورؐ پر موت وارد نہیں ہوئی موت کا وارد ہونا اور حضورؐ کا وفات پانا تو ایک معلوم و مسلّم اور مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے اور حضورؐ کے متعلق موت (یعنی مرنے) کے لفظ کا استعمال بھی بالاجماع جائز ہے (جیسا کہ خود علامہ تقی الدین سبکیؒ نے اس کی تصریح بھی کی ہے) بلکہ اس حیات کا مطلب حیاۃ برزخی ہے جو وفات پانے کے بعد عالم برزخ میں ان حضرات کو عطا ہوئی اور جو شہداء کرام کو بھی عطا ہوتی ہے بلکہ ایک درجہ کی

برزخی حیات تو سب ہی کو ملتی ہے کیونکہ بغیر اس حیات کے عذاب وثواب کا امکان ہی نہیں، ہاں ہر طبقہ کی حیات اس کے درجہ اور شان کے مطابق ہوتی ہے، اور چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سب سے اعلیٰ وارفع ہیں اس لئے ان کی برزخی حیات بھی سب سے حتیٰ کہ شہداء کرام سے بھی اعلیٰ وارفع ہے اور اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ بالکل جوں کے توں محفوظ رکھے جاتے ہیں اور زمین ان کو گلا نہیں سکتی، چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقدس جسموں کو کھائے اور گلائے۔

بس یہ ہے حقیقت مسئلہ "حیاۃ النبی" کی اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا شہیدؒ نے تقویۃ الایمان کی زیر بحث عبارت میں نفیاً یا اثباتاً اس مسئلہ کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے اور نہ وہاں اس کے ذکر کا کوئی موقع تھا —— وہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعدؓ کی سجدہ کی درخواست پر چونکہ اپنی قبر کا ذکر فرما کر اپنے زندہ جاوید نہ ہونے بلکہ ایک دن وفات پانے کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس لئے مولانا شہیدؒ نے اپنے سادہ لفظوں میں صرف اس اشارہ کی تشریح فرمادی اور اسی بات کو سادہ اردو زبان میں لکھ دیا جس کو علامہ طیبی اور علامہ علی قاری نے اس حدیث کی تشریح میں عربی زبان میں لکھا تھا۔

امید ہے کہ ناظرین نے یہاں تک کی بحث سے پوری طرح سمجھ لیا ہوگا

کہ تقویۃ الایمان کی مذکورہ صدر عبارت کی بنا پر مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ حیات انبیاء یا محفوظیت اجساد انبیاء علیہم السلام کا منکر قرار دینا شرارت اور افترا پردازی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر سلسلہ کلام ختم کیا جاتا ہے جو قیس بن سعد صحابی کی اس حدیث کے ہم معنی اور ہم مقصد ہے جس کی تشریح میں مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہ عبارت لکھی ہے اس کا مضمون مولانا شہید کی زیر بحث عبارت سے اور بھی زیادہ قریب ہے۔

حدیث یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (جو اسلام لانے سے پہلے بہت سے مذاہب میں رہ چکے تھے اور عرب و عجم کی بہت سی قوموں کے رواج جنہوں نے دیکھے اور برتے تھے) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کرنا چاہا تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

یا سلما ن لا تسجد لی ارأیت لومت اکنت ساجداً بقبری لا تسجد لی واسجد للحی الذی لا یموت (کنز العمال جلد سوم)

"اے سلمان مجھے سجدہ نہ کرو، بتلاؤ اگر میں مر جاؤں تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ مجھے سجدہ نہ کرو، صرف اس زندہ جاوید ہستی کو سجدہ کرو جس کے لئے کبھی فنا اور موت نہیں۔

بعینہ یہی تو مضمون ہے جس کو قیس بن سعدؓ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا شہیدؒ نے حضور ہی کی طرف سے اپنے سادہ لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔

مسئلہ شفاعت اور حضرت شہیدؒ

پانچواں بہتان

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر اہل بدعت کے افترآت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ شفاعت کے قطعی منکر ہیں، چنانچہ مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی اپنی کتاب "اطیب البیان رد تقویۃ الایمان" میں لکھتے ہیں:

"صاحب تقویۃ الایمان سب کو چھوڑ کر انبیاء کی شفاعت کے انکار پر اُڑا ہے اور شفاعت انبیاء کو بے فائدہ بتاتا ہے"

(اطیب البیان ص ۷۸)

پھر اسی کے اگلے صفحہ پر یہ لکھنے کے بعد کہ "صاحب تقویۃ الایمان نے (انکار شفاعت کا) یہ سبق فرقہ معتزلہ سے سیکھا" لکھتے ہیں:

"البتہ معتزلہ سے اتنے اور آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے صرف اہل کبائر کے عفو جرم کے لئے شفاعت کا انکار کیا تھا اور رفع درجات کے حق میں شفاعت کے قائل تھے، انہوں نے اتنا بھی گوارا نہ کیا اور مطلقاً شفاعت کے لئے کوئی گنجائش نہ رکھی"

(اطیب البیان ص ۷۹)

پھر اسی کتاب کے ص ۱۹۷ پر لکھتے ہیں:

''اور مسئلہ شفاعت قطعی ہے بکثرت آیات اور بے شمار حدیثیں اس میں وارد ہیں تمام ائمہ حدیث نے اس مضمون کی حدیثیں روایت کی ہیں، معتزلہ جو ایک گمراہ فرقہ تھا وہ شفاعت کا منکر تھا مگر اتنا وہ بھی مانتا تھا کہ مومنین کے رفع درجات کے لئے شفاعت ہوگی، وہابیہ نے انکار شفاعت میں شاگردی تو اس کی کی، مگر استاد سے بڑھ گئے کہ شفاعت کو سرے سے جھٹلا دیا'' (اطیب البیان ص ۱۹۷)

پھر اسی کے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''تقویۃ الایمان والے نے انکار شفاعت میں بڑا ہی غضب ڈھایا'' (اطیب البیان ص ۱۹۸)

مولوی نعیم الدین صاحب نے حضرت شاہ شہیدؒ کو اس طرح شفاعت کا قطعی منکر ٹھہرانے کے بعد ص ۲۰۱ سے صفحہ ۲۲۰ تک وہ تمام آیات واحادیث درج کر کے جو مصنفین اہل سنت، امام رازی، قاضی عیاض، علامہ علی قاری، علامہ زرقانی وغیرہ (رحمہم اللہ) نے اپنی کتابوں میں شفاعت کے متعلق معتزلہ کے مقابلہ میں پیش کی تھیں شفاعت کو ثابت کیا ہے اور اپنے نزدیک بہت بڑا تیر مارا ہے جس کو دیکھ کر ان کے سادہ لوح معتقدین ضرور اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہوں گے کہ ہمارے استاذ العلماء نے واقعی استاذی کا حق ادا کر دیا اور شفاعت کے منکر اسمٰعیل شہید اور ان کے متبعین پر قرآن وحدیث سے پوری

حجت قائم کردی، ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ یہ صرف مظلوم شہیدؒ کا نام لے کر ہوائی فائر کیے جا رہے ہیں، شہرت اور جاہ کے بھوکوں کا یہ قدیمی شیوہ ہے کہ وہ اخیار امت کے خلاف خود ہی بہتان تراشتے اور از راہ افترا ان کی طرف غلط باتیں اور گمراہانہ عقائد منسوب کرتے ہیں اور پھر خود ہی دلائل سے ان کا بطلان ثابت کر کے اپنے علم اور اپنی قابلیت کی نمائش کرتے ہیں اور اس طرح اپنی دوکانوں کو فروغ دیتے ہیں، اہل باطل کے اسی فرسودہ نسخہ کو یہاں مولوی نعیم الدین صاحب نے استعمال کیا ہے، ورنہ فی الحقیقت نہ حضرت شہیدؒ شفاعت کے منکر ہیں اور نہ اس مسئلہ میں جمہور اہل سنت سے الگ ان کا کوئی مسلک ہے۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کی تیسری فصل میں " اشتراک فی التصرف" کا رد کرتے ہوئے مسئلہ شفاعت پر مفصل کلام کیا ہے، ہم تقویۃ الایمان کا وہ پورا مقام مع ضروری توضیح کے پیش کرتے ہیں، ناظرین کرام غور فرمائیں کہ ان ناخدا ترسوں نے اس بارہ میں حضرت شہیدؒ پر کیسی افسوسناک افترا پردازی کی ہے۔

تقویۃ الایمان ص ۳۴ پر شاہ شہیدؒ نے سورہ سبا کی چند آیات لکھی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے "وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ" جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں شفاعت صرف اسی کے کام آسکتی ہے جس کے لئے خود اس نے شفاعت کی اجازت دے دی ہو۔

اس کے فائدہ کے ذیل میں حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں:

"اکثر لوگ انبیاء اولیاء کی شفاعت پر پھول رہے ہیں اور اس کے معنی غلط سمجھ کر اللہ کو بھول گئے ہیں، سو شفاعت کی حقیقت سمجھ لینا چاہئے، کہ شفاعت کہتے ہیں سفارش کو اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ظاہر کے بادشاہ کے ہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچالیوے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کے پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے آئین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے، کیونکہ وہ امیر اس سلطنت کا بڑا رکن ہے، اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے سو بادشاہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک جگہ اپنے غصہ کو تھام لینا، اور ایک چور سے درگزر کرنا بہتر ہے اس سے کہ اتنے بڑے امیر کو ناخوش کر دیجئے کہ بڑے بڑے کام خراب ہو جاویں اور سلطنت کی رونق گھٹ جائے، اس کو شفاعت وجاہت کہتے ہیں یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب سے اس کی سفارش قبول کی، سو اس قسم کی سفارش اللہ کی جناب میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی اور جو کوئی کسی نبی و ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھتا ہو وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل کہ اس نے خدا کے معنی کچھ بھی نہیں سمجھے اور اس

مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی''

(تقویۃ الایمان: ص ۳۶)

ناظرین کرام! للہ انصاف، کیا کوئی مسلمان خدا کی خدائی اور اس کے جلال وجبروت پر ایمان رکھتے ہوئے اس کو مالک الملک اور وحدہٗ لاشریک جانتے ہوئے شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کے کسی جز سے بھی اختلاف کرسکتا ہے؟ کیا شاہ شہیدؒ کو ''منکر شفاعت'' بتلانے والے خدا کی جناب میں ایسی ہی شفاعت کے قائل ہیں؟ کیا جس طرح دنیا کے ظاہری بادشاہ اپنے وزراء اور اراکین سلطنت کی بعض باتیں اپنی مرضی کے خلاف بھی مان لیتے ہیں اور نظام سلطنت کے درہم برہم ہوجانے کے اندیشے سے ان کی بات کو رد نہیں کرنا چاہتے، اسی طرح معاذ اللہ کیا حق جل جلالہ بھی اپنی مرضی کے خلاف اپنے مقربین انبیاء واولیاء، ملائکہ وشہداء اور ائمہ وصلحا کی سفارشیں بمصلحت ماننے پر مجبور ہے اور کیا اس کو بھی (نعوذ باللہ) یہ خطرہ دامن گیر ہوسکتا ہے کہ اگر میں نے ان کی بات منظور نہ کی تو یہ میرے خلاف ہوجائیں گے اور میری سلطنت خطرے میں پڑ جائے گی۔ (سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم)

بہرحال ''تقویۃ الایمان'' کی مذکورہ بالا عبارت میں شفاعت کی جس پہلی صورت یعنی ''شفاعت بالوجاہت'' کا انکار کیا گیا ہے اور جس کو ''شرک'' اور ''جہل باللہ'' بتلایا گیا ہے اس کا کوئی مسلمان بھی قائل نہیں ہوسکتا، اس کے بعد سفارش کی ایک دوسری صورت پر حضرت شہیدؒ نے کلام فرمایا ہے، جو ظاہری

بادشاہوں اور حاکموں کے یہاں پیش آتی رہتی ہے اور خدا کی جناب میں وہ بھی ناممکن ہے، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی بادشاہ زادوں میں سے یا بیگماتوں میں سے یا کوئی بادشاہ کا معشوق اس چور کا سفارشی ہو کر کھڑا ہو جاوے اور چوری کی سزا نہ دینے دیوے اور بادشاہ اس کی محبت سے لاچار ہو کر اس چور کی تقصیر معاف کر دے تو اس کو شفاعت محبت کہتے ہیں، یعنی بادشاہ نے محبت کے سبب سے سفارش قبول کر لی اور یہ بات سمجھی کہ ایک بار غصہ پی جانا اور ایک چور کو معاف کر دینا بہتر ہے اس رنج سے کہ جو اس محبوب کے روٹھ جانے سے مجھ کو ہوگا، اس قسم کی شفاعت بھی اس دربار میں کسی طرح ممکن نہیں اور جو کوئی کسی کو اس جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ بھی ویسا ہی مشرک ہے اور جاہل جیسا کہ اول مذکور ہو چکا، وہ مالک الملک اپنے بندوں کو بہتیرا ہی نوازے اور کسی کو حبیب کا اور کسی کو خلیل کا اور کسی کو کلیم کا کسی کو روح اللہ اور وجیہ کا خطاب بخشے اور کسی کو "رسول کریم" اور "مکین" اور "روح القدس" اور "روح الامین" فرما دے۔ مگر پھر مالک مالک ہے اور غلام غلام۔ کوئی بندگی کے رتبے سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا اور غلامی کی حد سے زیادہ سے نہیں بڑھ سکتا جیسا کہ اس کی رحمت

سے ہردم خوشی سے جھکتا ہے ویسا ہی اس کی ہیبت سے رات دن زہرہ پھٹتا ہے" (تقویۃ الایمان: ص ۴۷)

بتلایا جائے کہ اس عبارت کے کسی جز سے بھی کسی مسلمان اور مومن باللہ کو اختلاف کرنے کی گنجائش ہے؟ کیا جس طرح دنیاوی بادشاہ اور دنیا کے حکام وامراء اپنی اولاد، اپنی بیگمات اور اپنے محبوبوں کی بات ماننے پر طبعاً مجبور ہوتے ہیں اور اپنی رائے اور مرضی کے خلاف بھی دل کی مجبوری سے ان کی ضدیں اور ہٹیں پوری کرتے ہیں، کیا معاذ اللہ وہ سبوح اور قدوس بھی اپنے مقربین بارگاہ کے حق میں ایسا ہی ہے؟ اور کیا وہ بھی کسی کی محبت سے ایسا ہی لاچار ہے؟ العیاذ باللّٰہ ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ۔

اس کے بے پناہ جلال کی قسم، وہ کسی محبت اور چاہت سے لاچار ومجبور نہیں، وہ تو "صمد" اور "غنیٌّ عن العالمین" ہے، یہ محض اس کا کرم اور اس کی ذرہ نوازی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مناصب جلیلہ اور مراتب عظیمہ سے نوازتا ہے، ان کو قرب خصوصی بخشتا ہے اور اپنے خطیرۃ القدس میں داخل کرتا ہے اور پھر ان مقدس مقربین کا حال یہ ہے کہ ہردم اس کی رضا جوئی میں رہتے ہیں، جس سے وہ راضی ہو اس سے یہ راضی رہتے ہیں اور جس سے وہ ناراض ہو اس سے یہ نفرت کرتے ہیں، ان کا ہر اقدام حکم الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے، خود سید المقربین، محبوب رب العالمین بار بار اعلان فرماتے ہیں:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰیٓ اِلَیَّ — میں تو بالکل خدا کی وحی اور اس کے احکام کا تابع ہوں

وہ حضرات اس ذوالجلال والجبروت کی بارگاہ قدس میں سفارش بھی صرف اسی کی فرمائیں گے جس کے لئے خود ادھر سے اشارہ پائیں گے، قرآن ناطق ہے.

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی

''اور وہ پس اسی کی سفارش کریں گے جس کو وہ پسند کرے گا۔''

بہر حال شفاعت کی یہ دوسری قسم بھی (جس کا نام حضرت شہیدؒ نے ''شفاعت محبت'' رکھا ہے) بارگاہِ ایزدی اور حضرت صمدی میں ناممکن ہے اور وہی شخص اس کا قائل ہو سکتا ہے جس نے خدا کو بالکل نہ پہچانا ہو۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِکَۃِ وَالرُّوْحُ''

سفارش کی اس دوسری قسم ''شفاعت محبت'' پر کلام فرمانے کے بعد ایک تیسری صورت اور لکھی ہے اور وہ بھی دنیا کے ظاہری بادشاہوں کے یہاں پیش آتی رہتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں، اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا، سو اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے اور بادشاہ کے آئین کو سر و آنکھوں پر رکھ کر اپنے تئیں تقصیروار سمجھتا ہے اور لائق سزا کے جانتا ہے اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر اور وزیر کی پناہ نہیں ڈھونڈتا اور اس کے مقابلہ میں کسی کی حمایت نہیں چاہتا، اور رات دن اسی کا منھ دیکھ رہا ہے، کہ دیکھئے میرے

حق میں کیا حکم فرمادے، اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دل میں آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے، سو کوئی امیر و وزیر اس کی مرضی پا کر اس تقصیر وار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے، سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لئے نہیں کی کہ اس کا قرابتی ہے یا آشنا یا اس کی حمایت اس نے اٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر، کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا تھانگی جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا ہے تو آپ بھی چور ہو جاتا ہے اس کو ''شفاعت بالاذن'' کہتے ہیں''۔

واضح رہے کہ اس موقع پر حضرت شہیدؒ نے سفارش کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بادشاہانِ دنیا کے درباروں کے لحاظ سے ہے اور حکام دنیا کے یہاں ''شفاعت بالاذن'' کی اکثر ایسی ہی صورت ہوتی ہے کہ خود بادشاہ و حاکم کی مرضی مجرم کو معاف کرنے کی ہوتی ہے اور اسی کا احساس کر کے بلکہ بسا اوقات اسی کا اشارہ پا کر بادشاہ و حاکم کا کوئی مقرب اس کی سفارش کر دیتا ہے حضرت شہیدؒ اس قسم کی سفارش کا یہ نقشہ کھینچنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یہ سفارش خود مالک کی

پروانگی سے ہوتی ہے سو اللہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت
ہوسکتی ہے اور جس نبی وولی کی شفاعت کا قرآن وحدیث میں
مذکور ہے سو اس کے معنی یہ ہی ہیں۔"

یعنی وہ شفاعت باذن خداوندی اور خود اللہ تعالیٰ کے پروانہ دے دینے سے ہوگی، اس کے بغیر وہاں کسی مقرب سے مقرب کو بھی کسی مجرم کی سفارش کی مجال نہ ہوگی۔

تقویۃ الایمان کی ان تمام عبارات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ صرف پہلی دو قسم کی شفاعتوں کے منکر ہیں جن کا قائل کوئی مسلمان بھی نہیں ہوسکتا، اور آخری قسم کی "شفاعت بالاذن" کے قائل ہیں اور یہی وہ شفاعت ہے جو قرآن پاک سے ثابت ہے۔

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ قرآن عزیز میں جہاں کہیں بھی شفاعت کا اثبات کیا گیا ہے وہاں اسی شفاعت بالاذن کا اثبات ہے اور کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جہاں شفاعت کو بلا قید اذن کے ثابت کیا گیا ہو، علیٰ ہذا احادیث سے بھی صراحۃً یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلا اذن خداوندی کسی مقرب سے مقرب کی طرف سے بھی شفاعت کا اقدام نہ ہوگا۔

پہلے آیات کریمہ ملاحظہ ہوں:

سورہ بقرہ رکوع ۳۴ آیت الکرسی میں ارشاد ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

''کون ایسا ہے کہ سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کے اذن سے'' (ترجمہ شاہ عبدالقادر)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای لیس لا حد ان یشفع عندہ الا باذنہ

(مدارک التعویل: ج ا ص ۱۰۰)

''یعنی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے یہاں بغیر اس کے اذن کے سفارش کر سکے''

اور سورہ یونس کے پہلے رکوع میں ارشاد ہے:

مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ

''کوئی سفارش نہ کر سکے گا مگر جو پہلے اس کا حکم ہو'' (ترجمہ شاہ عبدالقادر)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے

''نیست ہیچ شفاعت کنندہ مگر بعد دستوری دے''

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

معناہ ان الشفعاء لا یشفعون الا باذنہ (معالم التنزیل)

''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کرنے والے اس کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کریں گے۔''

اور علامہ خازنؒ فرماتے ہیں:

یعنی لا یشفع عنده شافع یوم القیمة الا من بعد ان یاذن له فی الشفاعة (خازن)

"یعنی کوئی شفاعت کرنے والا قیامت کے دن اس وقت تک شفاعت نہیں کر سکے گا جب تک کہ وہ خود شفاعت کی اجازت نہ دیدیگا"

اور علامہ آلوسیؒ اپنی بے نظیر تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای مامن شفیع یشفع لاحد فی وقت من الاوقات الا بعد اذنه تعالیٰ المبنی علی الحکمة الباهرة وذالك عند کون الشفیع عن المصطفین الاخیار والمشفوع له ممن یلیق بالشفاعة (روح المعانی: ج ۱۱ ص ۵۰)

"یعنی کوئی شفاعت کرنے والا بھی کسی وقت میں کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا مگر حق تعالیٰ کے مبنی بر حکمت اذن کے بعد اور یہ اذن جب ہوگا جب کہ شفاعت کنندہ اللہ کے نیک برگزیدہ بندوں میں سے ہو اور جس کے لئے شفاعت کی جائے وہ بھی شفاعت کے لائق ہو"۔

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہے:

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (طٰہٰ: ع ۶)

''اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے اور پسند کی اس کی بات'' (ترجمہ شاہ عبدالقادر)

علامہ ابوالبرکات نسفیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای لا تنفع الشفاعة الاشفاعة من اذن له الرحمن ای اذن للشافع فی الشفاعة (مدارک التنزیل ج ۳ ص ۵۱)

''یعنی وہاں صرف انہی لوگوں کی شفاعت کام آسکے گی جن کو خود خدا ہی نے شفاعت کی اجازت دی ہوگی۔''

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں دو احتمال لکھے ہیں، ایک یہ کہ مـــن اذن سے شافعین مراد ہوں، دوسرے یہ کہ اس سے مشفوعین مراد لئے جائیں، دوسری تقدیر پر آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وحاصل المعنی علیه لا تنفع الشفاعة احدا إلّا من اذن الرحمن فی ان یشفع له و کان مومناً۔

''اس تقدیر پر آیت کا حاصل مطلب یہ ہوگا کہ شفاعت صرف اس کے کام آسکے گی جو مسلمان ہوگا اور اس کی شفاعت کی اجازت بھی خدا کی طرف سے ملی ہوگی۔

پھر یہی علامہ لکھتے ہیں کہ خواہ مَنْ اَذِنَ سے شافعین مراد ہوں یا مشفوعین۔

والمراد علی کل تقدیرانه لا تنفع الشفاعة احدًا إلّا من ذکر۔ (روح المعانی ص ۲۳۹ ج ۱۶)

"بہر تقدیر آیت کی مراد یہی ہے کہ شفاعت صرف انہی لوگوں کے کام آسکے گی جن کا اوپر ذکر ہوا" (یعنی جن کی شفاعت کی اجازت خود پروردگار عالم کی طرف سے ہوگی)

اور سورہ سبا میں ارشاد ہے:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ (سبا:ع ۳)

"اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس مگر اس کو جس کے واسطے حکم کر دیا" (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

یہ آیت مذکورہ صدر آیت کے بالکل ہم معنی ہے اور اس کی تفسیر میں بھی ان ہر دو مفسرین علامہ نسفیؒ و علامہ آلوسیؒ نے ایسا ہی لکھا ہے (ملاحظہ ہو مدارک ج ۳ ص ۲۴۸ و روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۲۶)

اور سورہ زمر میں ارشاد ہے:

قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا (زمر:ع ۵)

"تو کہہ اللہ کے اختیار ہے سفارش ساری (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

حضرت مجاہد اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لا یشفع احدا اِلّا باذنہ (معالم ج ۶ ص ۶۵)

"کہ خدا کے یہاں بلا اس کے اذن کے کوئی شفاعت نہیں کر سکتا"

اور علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

المعنی انه تعالیٰ مالك الشفاعة كلها لا يستطيع احد شفاعة الا ان يكون المشفوع مرتضی والشفيع ماذونا له (روح المعانی ج ۲۴ ص ۸)

''آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی شفاعت کا مالک ومختار ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے یہاں شفاعت کر سکے مگر یہ کہ شفاعت کنندہ اجازت یافتہ ہو اور جس کے لئے شفاعت کرنی ہے وہ بھی پسندیدہ یعنی اہل ہو۔''

اور علامہ خازن اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

احد لا يشفع احد الا باذنه فكان الاشتغال بعبادته اولی لانه هو الشفيع فی الحقيقة وهو ياذن فی الشفاعة لمن يشاء من عباده

(خازن ج ٦ ص ٦٥)

''یعنی اللہ کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا پس اس کی عبادت میں مشغول رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ فی الحقیقت شفاعت والا بھی وہی ہے، وہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا اور جس کے لئے چاہے گا شفاعت کی اجازت دے دے گا۔''

ناظرین کرام غور فرمائیں کیا یہ سب کچھ وہی نہیں ہے جو حضرت شہیدؒ نے فرمایا؟

یہاں تک ہم نے مسئلہ شفاعت میں حضرت شہیدؒ کے مسلک کی تائید میں صرف آیات قرآنی پیش کی ہیں اور مزید تائید وتوضیح کے لئے بعض مفسرین

.اہلِ سنت کی چند عبارات بھی نقل کر دی ہیں، اب ایک حدیث ملاحظہ ہو۔
صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے شفاعت کی جو طویل حدیث مروی ہے، اس میں مذکور ہے کہ جب اہل محشر انبیاء سابقین سے جواب پاکر شفاعت کے لئے آخر میں میرے پاس آئیں گے تو:

فاستاذنُ علی ربی تعالیٰ فیؤذن لی فاذا انا رایتہ وقعت ساجدا فید عنی ماشاء اللّٰہ فیقال یا محمدارفع راسك قل تسمع سل تعطہ إشفع تشفع فارفع راسی فاحمد ربی تعالیٰ بتحمید یعلّمنیہ ربی عزوجل ثم اشفع فیحد لی حدافاخرجھم من النار وادخلھم الجنۃ ثم اعود فاقع ساجدافیدعنی ماشاء اللّٰہ ان یدعنی ثم یقال ارفع یا محمد قل تسمع سل تعطہ إشفع تشفع فارفع راسی فاحمد ربی بتحمید یعلّمنیہ ربی ثم اشفع فیحد لی حدًا فاخرجھم من النار وادخلھم الجنۃ قال فلا ادری فی الثالثۃ اوفی الرابعۃ قال فاقول یا رب مابقی من النار الا من وجبہ القرآن۔

میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ خصوصی میں حاضری کی اجازت چاہوں گا مجھے اجازت مل جائے گی، پس جیسے ہی میں

اس کو دیکھوں گا، فوراً سجدہ میں گر جاؤں گا پس جب تک اللہ تعالیٰ
چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا، پھر فرمایا جائے گا، اے
محمد! اپنا سر اٹھاؤ جو کہنا ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، سوال کرو
عطا کیا جائے گا سفارش کرو قبول ہوگی (حضورؐ فرماتے ہیں) پس
میں سجدہ سے سر اُٹھاؤں گا اور اپنے رب جل جلالہ کی وہ حمد کروں
گا جو اسی کی طرف سے مجھے تعلیم ہوگی پھر میں سفارش کروں گا،
پس اللہ تعالیٰ میرے لئے ایک حد مقرر کر دے گا پس میں ان کو
جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا، پھر میں دوبارہ
لوٹ کر آؤں گا، اور بارگاہِ الٰہی میں پھر سجدہ میں گر جاؤں گا اور
پھر جب تک اس کی مرضی ہوگی وہ مجھ کو سجدہ میں رہنے دے
گا پھر مجھے حکم ہوگا اے محمد، سر اُٹھاؤ، جو کہنا ہو کہو تمہاری بات سنی
جائے گی، سوال کرو، عطا کیا جائے گا، سفارش کرو قبول کی
جائے گی (حضورؐ فرماتے ہیں) پس میں سجدہ سے سر اُٹھاؤں گا
اور اپنے پروردگار کی وہ حمد کروں گا جو مجھے اس کی طرف سے تعلیم
ہوگی، پھر میں سفارش پیش کروں گا اور پھر اللہ تعالیٰ میرے لئے
ایک حد مقرر کر دے گا پس میں ان کو دوزخ سے نکال کر جنت
میں داخل کر دوں گا (پھر اسی طرح ہوگا) راوی کو شک ہے کہ
تیسری ہی دفعہ میں یا چوتھی دفعہ میں جب آپ لوٹ کر آئیں گے
تو عرض کریں گے، خداوندا اب وہی بدنصیب رہ گئے ہیں جن

کے لئے قرآن نے دوزخ کو واجب کر دیا ہے"

(یہ روایت صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں ہے منجملہ ان کے تفسیر سورہ بقرہ کے شروع میں ہے، اور "رقاق" میں بھی ہے اور صحیح مسلم میں کتاب الایمان میں ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم ہی کے ہیں۔)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اذن خداوندی سے ہوگی بلکہ مشفوعین کی حدود بھی حق تعالیٰ کی طرف سے متعین کر دی جائیں گی صرف اس اس قسم کے لوگوں کی شفاعت قبول ہوگی۔

اس حدیث کے لفظ "فَیَحُدُّ لِیْ حَدًّا" کی شرح میں امام بدر الدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں بحوالہ طیبی ارقام فرماتے ہیں:

ای یبین لی فی کل طور من اطوار الشفاعة حدا اقف عنده فلا اتعداه مثل ان یقول شفعتك فیمن اخل بالجماعة ثم فیمن اخل فی الصلوة فیمن شرب الخمر ثم فیمن زنی وعلی هذا الاسلوب.

(عمدۃ القاری: ج ۲۳ ص ۱۲۸)

"یعنی ہر مرتبہ کی شفاعت میں میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جس کی میں پابندی کروں گا اور اس سے تجاوز نہ کروں گا مثلاً (پہلی مرتبہ کی شفاعت پر) حکم ہوگا کہ ہم نے تم کو ان لوگوں کا شفیع بنایا جنہوں نے جماعت کی پابندی نہیں کی (پھر دوسری مرتبہ کی شفاعت میں) مثلاً

حکم ہوگا کہ ہم نے تم کو شفیع بنایا ان لوگوں کا بھی جنہوں نے نفس نماز ہی کی ادائیگی میں کوتاہی کی پھر (تیسری مرتبہ مثلاً حکم ہوگا کہ) ہم نے تم کو ان لوگوں کا شفیع بنایا جنہوں نے شراب پی، اور چوتھی مرتبہ میں مثلاً ان لوگوں کا جنہوں نے زنا کیا اور اسی طور پر"

اس سے ظاہر ہے کہ شفاعت کے لئے خاص خاص قسم کے مجرموں کی تحدید خود حق تعالیٰ کی طرف سے کردی جائے گی اور اسی تحدید کے ماتحت حضور ﷺ کی شفاعت قبول ہوگی، اور یہی شفاعت بالاذن ہے، جس کے متعلق حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انبیاء وملائکہ وغیرہ کی جو شفاعت دربار خداوندی میں ہوگی وہ اسی قسم کی ہوگی" شفاعت بالمحبت" اور" شفاعت بالوجاہت" نہ ہوگی جس میں حاکم اپنے ضمیر اور اپنی منشا کے خلاف شفیع کی محبت یا اس کی وجاہت سے متاثر ہوکر سفارش قبول کرلیتا ہے۔

اور شفاعت بالمحبت وشفاعت بالوجاہت بالمعنی المذکور کے اس انکار سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت شہیدؒ (معاذ اللہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت اور عند اللہ آپ کی وجاہت ہی کے منکر ہیں سخت ظلم اور انتہائی تلبیس ہے۔ ـــــ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت ومقبولیت اور آپ کی بے نظیر وجاہت ہر مومن کا دین وایمان ہے لیکن یہ سمجھنا کہ (معاذ اللہ) حق تعالیٰ شانہ کی محبت بھی اپنے محبوبین سے ایسی ہی ہے جیسی کہ وہ ہم جنسوں کے درمیان دنیا میں ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے محب محبوب کی ہر قسم کی ناز برداری

پر طبعاً مجبور ہوتا ہے ____ علیٰ ہذا مقربین بارگاہِ الٰہی کی وجاہت کو اس قسم کی وجاہت سمجھنا جیسی کہ حکام دنیا کے درباروں میں بعض امراء اور کار پردازانِ حکومت کو حاصل ہوتی ہے، جس کے اثر سے بعض اوقات ان حکام کو دبنا پڑ جاتا ہے سخت گمراہی ہے، تعالی اللّٰہ عن ذالک علوّا کبیرا۔

بہرحال حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے محبوبیت و وجاہت کا انکار نہیں کیا ہے، بلکہ اس شفاعت بالوجاہت کا انکار کیا ہے، جس کا عقیدہ بہت سے ناخداشناس جاہل رکھتے ہیں ورنہ مقربین بارگاہِ الٰہ کی نفس محبوبیت و وجاہت کو جیسا حضرت شہیدؒ نے سمجھا اور لکھا ہے ان مدعیان بے خرد بلکہ ان کے اکابر واسلاف کو بھی کبھی اس کی ہوا تک نہ لگی ہوگی ہم یہاں حضرت شہیدؒ کی صرف ایک عبارت آپ کی مشہور کتاب "منصب امامت" سے نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

بایددانست کہ انبیاء علیہم السلام را بحضور حضرت رحمان بہ نسبت جمیع افراد انسان نوعے از امتیاز ثابت است کہ بہ نگاہ مہربانی منظور اند وبہ لطف ربانی مسرور، بہ مزیت انعام سرفراز ندوبہ مزید اکرام ممتاز، یاسمین چمن محبوبیت اندواور رنگ نشین انجمن مقبولیت، اختران افلاک انس اند، افسران املاک قدس اند وجنو یعنی مناصب عظیمہ لائق اند، و در سرانجام مہمات فخیمہ فائق، سرداران محافل کروبیان اند، وسران عساکر قدوسیاں، ہمت ایشاں مفتاح اغلاق ابواب است دعائے ایشاں بلاریب مستجاب، محب ایشاں محبوب حضرت رب الارباب است

ومبغض ایشاں مبغوض آنجناب محبت ایشاں باعث رفع درجات است وتوسل ایشاں وسیلہ نجات۔ (منصب امامت ص ۴)

"معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کو دیگر افراد انسانی کے مقابلہ میں خاص امتیاز حاصل ہے، ان پر قدرت کی نظر رحمت اوران کو عنایات الٰہیہ سے خاص مسرت ہے وہ فراوانی انعامات سے سرفراز اور فضل وکرم کی بارشوں سے ممتاز ہیں، چمن محبوبیت کے گل یاسمین اور انجمن مقبولیت کے اورنگ نشین ہیں، آسمان انس کے درخشاں اختر، اور عالم قدس کے افسر ہیں، مناسب جلیلہ کے تفویض کے لائق اور مہتم بالشان امور عظام کی انجام دہی میں فائق ہیں، کروبیوں کی محفلوں کے سردار اور قدوسی لشکروں کے سپہ سالار ہیں، ان کی خاص توجہ بند دروازوں کی کنجی ہے اور ان کی دعا لاریب مقبول ہوتی ہے، ان سے محبت کرنے والا حضرت رب العزت کا محبوب، اور ان سے عداوت رکھنے والا اس بارگاہ میں مبغوض ومغضوب ہے ان کی محبت ترقی درجات کا ذریعہ اور ان کا توسل نجات کا وسیلہ ہے۔"

یہ ہے حضرت شہیدؒ کے نزدیک انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی شان عالی، ان تصریحات کے ہوتے ہوئے حضرت ممدوح کے متعلق یہ کہنا کہ (معاذ اللہ) آپ حضرات انبیاء اور بالخصوص سید الانبیاء (علیہ وعلیہم الصلوۃ والثناء) کی محبوبیت ووجاہت کے منکر ہیں، اسی کا کام ہے جس سے دین ودیانت کے ساتھ حیا بھی رخصت ہو چکی ہو۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

یہاں تک ہم نے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب دہی کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ شفاعت کے بارے میں جو کچھ حضرت شہیدؒ نے فرمایا ہے وہ کتاب وسنت کے بالکل مطابق ہے اور ان کے متعلق بعض حیا باختہ اہل بدعت کا یہ لکھنا کہ وہ شفاعت کے قطعی منکر ہیں، یا ان کو مقربین بارگاہ خداوندی کی شان محبوبیت اور وجاہت سے انکار ہے خالص افترا اور محض بہتان ہے، اب ہم الزاما عرض کرتے ہیں کہ جو لوگ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو منکر شفاعت بتلاتے ہیں وہ خود حقیقتِ شفاعت کے منکر ہیں بلکہ ان کے اقوال پر شفاعت ممکن ہی نہیں۔ ناظرین ہمارے اس ادعا سے حیران نہ ہوں ثبوت ہمارے ذمہ ہے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی حاجت مند کی حاجت براری کے لئے کوئی دوسرا شخص اس بااختیار شخص سے سفارش کرے جو خود مالک امر یا مختار کار ہو۔

مثلاً کوئی مجرم کسی جرم کی پاداش میں جیل خانہ بھیج دیا گیا تو اب اس کی شفاعت کی صورت یہی ہے کہ جو حاکم اس کو رہا کر دینے اور جیل خانہ سے نکال دینے کا اختیار رکھتا ہو اس کا کوئی دوست یا قرابت دار، یا کوئی خاص موثر تعلق رکھنے والا اس کی رہائی کے لئے اس حاکم مجاز سے سفارش کرے۔ لیکن اگر یہ درمیانی شخص خود ہی صاحب اختیار ہو اور اس کو یہ پاور پوری طرح حاصل ہو کہ

جس کو چاہے، جیل خانہ میں ڈالے اور جس کو چاہے اس سے نکال لے، بلکہ جیل خانہ کا سارا انتظام، اس کا داخلہ اور خارجہ سب اسی کے اختیار میں ہو اور وہی مختار مطلق بلکہ مالک الامر ہو تو ظاہر ہے کہ وہ کسی سے سفارش نہیں کرنے گا بلکہ جو چاہے گا خود کر ڈالے گا اور جس کو چاہے گا نکال لے گا بلکہ اگر بالفرض وہ کسی دوسرے حاکم سے سفارش بھی کرے تو وہ یہی جواب دے گا کہ اس بارے میں مجھ سے کیا کہنا ہے؟ آپ خود مالک ومختار ہیں، سب کچھ آپ کا ہے اور آپ کے ہاتھ میں ہے، جیل خانہ آپ کا ہے حکم آپ کا ہے اختیار آپ کا ہے، مجھ سے کہنے اور سفارش کرنے کے کیا معنی؟

الغرض ایسی صورت میں حقیقت شفاعت متحقق ہی نہ ہو سکے گی، بلکہ یہ اقدام سفارش غیر معقول بھی سمجھا جائے گا، یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کا کوئی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا، یہ بات اگر اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو چکی تو اب سنئے کہ حضور سرور عالم ﷺ کے متعلق ان اہل بدعت کا عقیدہ ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت کے مالک ہیں، جنت ان کی جاگیر ہے جس کو چاہیں دیں، جس کو چاہیں نہ دیں، اور نہ صرف جنت بلکہ دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں تمام چیزیں آپ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور آپ اپنی مرضی اور اپنے حکم سے جس کو چاہیں بخش سکتے ہیں اور جس سے چاہیں چھین سکتے ہیں سب کچھ آپ کے اختیار میں ہے"۔

ان اہل بدعت کے امام عالی مقام مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی

کی ایک مشہور نعتیہ غزل کا مشہور مصرعہ ہے۔

"ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی"

جلدی میں کوئی صاحب یہ نہ فرمائیں کہ یہ عقیدہ کا بیان نہیں بلکہ "شاعری" ہے کیونکہ انہوں نے اپنے متعدد رسائل "برکات الامداد" "سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت الوریٰ" وغیرہ میں بڑی وضاحت سے اپنا عقیدہ بھی لکھا ہے۔ برکات الامداد ص ۸ پر لکھتے ہیں:

"حضورؐ ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں، دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضورؐ کے اختیار میں ہیں۔"

پھر اسی صفحہ پر ابن سبع (۱) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"جنت کی زمین اللہ جل وعلا نے حضورؐ کی جاگیر کر دی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں"

پھر ان کے خلیفہ اعظم اور تلمیذ ارشد مولوی امجد علی صاحب اعظمی اپنی مشہور کتاب "بہار شریعت" میں لکھتے ہیں:

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضورؐ کے تحت تصرف کر دیا گیا ہے، جو چاہیں کریں، جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں..... تمام آدمیوں

---

(۱) واضح رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے اس عقیدہ کے ثبوت میں جن اگلے بزرگوں کا نام لیا ہے ان میں سے کسی کا بھی منشاء یہ نہیں ہے، ان کی عبارت کا صحیح مطلب ان کی اصل عبارات ان کی کتابوں میں دیکھ کر ہر سلیم الفہم آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

کے مالک ہیں..... تمام زمین ان کی مِلک ہے تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السماء والارض حضور کے زیر فرمان ہے، جنت اور نار کی کنجیاں دست اقدس میں دے دی گئیں" (بہار شریعت حصہ اول ص ۲۲)

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام جنت بلکہ دنیا و آخرت کی ساری نعمتوں کے مالک ومختار ہیں، اور آپ ان میں اپنے حسب منشا ہر قسم کا تصرف کر سکتے ہیں۔

پس جب کہ ان حضرات کا اصول یہ ٹھہرا تو پھر شفاعت پر ان کا ایمان کیسے ہو سکتا ہے اس صورت میں تو شفاعت محض ایک بے معنی لفظ رہ جائے گا، یہ صرف ہمارا اجتہاد وقیاس نہیں ہے خود فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

"محتاجی ہی منشاء شفاعت ہے، جہاں محتاجی نہ ہو خود اپنے حکم سے جو چاہے کر دیا جائے شفاعت کی کیا حاجت ہو"۔

(السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ، مطبوعہ اہل سنت بریلی بار دوم ص ۱۲۳)

فاضل بریلوی کی اس تصریح نے واضح طور پر ثابت کر دیا کہ ان حضرات کے مذکورہ بالا عقیدہ کے بعد شفاعت کچھ نہیں رہتی۔ یہ سزا ہے، حضرت شہید کو منکر شفاعت بتلانے کی۔ دیکھا؟ خاصان خدا کی عداوت اور ان کے خلاف افترا پردازی وبہتان بندی سے اس طرح دین برباد ہوتا ہے، اور یوں عقبیٰ خراب ہوتی ہے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

تکملہ

ہمارے زمانہ کے اہل بدعت حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے متعلق اپنے جن اعتراضوں اور بہتانوں کو عوام میں زیادہ اچھالتے ہیں ہمارے نزدیک وہ یہی چند مشہور بہتان ہیں جن کے تفصیلی اور تحقیقی جواب ناظرین کرام پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے، ان کے علاوہ جو اور اعتراضات مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی وغیرہ نے حضرت شہیدؒ پر اپنے رسالوں میں کیے ہیں، ہمارے خیال میں وہ ایسے مہمل، لچر اور بے جان ہیں جن کے جواب کی ضرورت بھی نہیں، امید ہے کہ جو سمجھ دار اور منصف مزاج آدمی حضرت شہیدؒ کی اصل عبارات ان کی کتابوں میں دیکھے گا وہ معمولی غور و فکر سے خود ہی اصل حقیقت سمجھ لے گا۔

ان اعتراضوں پر غور کرتے وقت اگر مندرجہ ذیل دو واقعی حقیقتوں کو سامنے رکھا جائے تو اصل حقیقت کا سمجھنا اور بھی آسان ہو جائے گا۔

ایک یہ کہ اعتراضات زیادہ تر تقویۃ الایمان کی عبارتوں پر ہیں اور تقویۃ الایمان اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اس وقت تک اردو زبان میں وہ وسعت اور آراستگی پیدا نہیں ہوئی تھی جو بعد میں پیدا ہوئی اور کسی مضمون کو اردو میں اچھے سے اچھے انداز میں ادا کر دینا اب جتنا آسان ہو گیا ہے اس وقت اتنا آسان نہ تھا، اردو کی اس وقت کی تنگ دامانی کا

اندازہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے تراجم قرآن سے بھی کیا جاسکتا ہے شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے زمانہ کے بگڑے ہوئے عوام کے لئے اسی اردو سے کام چلانا پڑا جو اس وقت اپنے عہد طفولیت میں تھی۔

دوسری حقیقت جو حضرت شہیدؒ پر کئے جانے والے اہل بدعت کے اعتراضات پر غور کرتے وقت سامنے رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ تقویۃ الایمان کے خاص مخاطب اس سے قریباً ڈیڑھ سو برس پہلے کے بگڑے ہوئے وہ عام مسلمان تھے جن کی زندگی میں طرح طرح کی ہندوانہ رسوم اور مشرکانہ عادات داخل ہو چکی تھیں، جن کے نمونے آج بھی ہمارے سامنے موجود ہیں، پس مولانا شہیدؒ نے تقویۃ الایمان میں مسلمانوں کی جن گمراہیوں پر سخت کلام کیا ہے اور انبیاء اولیاء کی بندگی اور اللہ کے حضور میں ان کی سرافگندگی و بیچارگی کو جابجا جس خاص انداز میں بیان کیا ہے اس کا صحیح مقصد و مطلب سمجھنے کے لئے اس وقت کے مسلمانوں کے بگڑے ہوئے عقائد و اعمال کو سامنے رکھنا چاہئے اور ان ہی کو حضرت شہیدؒ کی عبارتوں کا اصل مخاطب سمجھنا چاہئے۔

امید ہے کہ اللہ کا جو سمجھدار اور منصف مزاج بندہ ان دو ہی باتوں کو سامنے رکھ کر مولوی احمد رضا خاں وغیرہ کے ان اعتراضات پر غور کرے گا جو حضرت شہیدؒ کی تقویۃ الایمان وغیرہ کی باتوں پر کئے جاتے ہیں وہ انشاء اللہ بغیر کسی شک اور تردد کے اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان اعتراضوں کے کرنے والے اور ان بہتانوں کے اچھالنے والے یا تو حقیقت دین سے سخت جاہل ہیں، یا انتہائی درجہ کے ناخدا ترس اور ظالم!

حضرت شہیدؒ کی ایک کھلی کرامت

ان کے ظالم دشمن خدائی شکنجہ میں

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کافرانہ عقائد و مضامین کی نسبت کر کے اور ان پر اللہ و رسول کی توہین کی تہمتیں دھر کے اگر چہ بہت سے اہل بدعت نے اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس ظلم و ستم میں امامت و پیشوائی کا درجہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہی کو حاصل ہے۔ انہوں نے اپنے بے گنتی رسالوں اور فتووں میں حضرت شہیدؒ کی طرف ایسے ایسے خبیث کافرانہ عقائد مضامین اور اللہ و رسول کی جناب میں ایسی ایسی ناپاک گستاخیوں کی نسبت کی ہے جن کو سن کر بدترین قسم کے کافر بھی کانوں پر ہاتھ دھریں گے (ملاحظہ ہوں ان کے رسائل "الکوکبۃ الشہابیۃ" اور "السیوف الہندیہ" وغیرہ جن کا موضوع ہی حضرت شہیدؒ کے خلاف الزام تراشی اور بہتان طرازی ہے اور کسی سلیم الفطرت کے لئے جن کا صرف مطالعہ کرنا بھی سخت مجاہدہ ہے۔)

لیکن حضرت شہیدؒ پر ایسے سخت الزامات لگانے کے باوجود اپنی آخری رائے موصوف نے ان کے بارے میں یہ ظاہر کی ہے کہ میں ان کو کافر نہیں کہتا اور محتاط علماء کو چاہئے کہ وہ بھی ان کو کافر نہ کہیں، اس کے لئے ان کی صرف دو مندرجہ ذیل عبارتیں پڑھ لی جائیں۔

"اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا" (تمہید ایمان ص ۴۲)

''علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں۔یہی صواب ہے وھو الجواب
وبه یفتیٰ وعلیه الفتویٰ وھو المذھب وعلیه الاعتماد وفیه
السلامة وفیه السداد ،یعنی یہی جواب ہے اور اسی پر فتویٰ ہو اور
اسی پر فتویٰ ہے اور یہی ہمارا مذہب اور اسی پر اعتماد اور اسی میں
سلامت اور اسی میں استقامت۔'' (تمہید ایمان ص ۴۲)

حالانکہ اسلامی شریعت کا مسلم مسئلہ ہے کہ جس شخص کے عقائد کافرانہ ہوں، خاص کر جو بدبخت اللہ و رسول کی شان میں گندی گستاخیاں کرنے والا ہو اس کی تکفیر ضروری بلکہ شرط ایمان ہے، اور جو کوئی ایسے بد بخت کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے، خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی شریعت کے اس مسلم مسئلہ کو جا بجا لکھا ہے۔ ناظرین کرام کم از کم دو ہی عبارتیں ان کی اس سلسلہ کی بھی پڑھ لیں، فقہ و فتاویٰ کی متعدد کتابوں کے حوالہ دے کر اسی تمہید ایمان صفحہ ۲۸ میں لکھتے ہیں:

''تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس ﷺ کی
شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے
معذب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''

نیز اسی تمہید ایمان میں مجمع الانہار اور در مختار کے حوالہ سے آگے پھر لکھتے ہیں:

''جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہو اس کی
توبہ کسی طرح قبول نہیں، اور جو اس کے عذاب یا کفر میں شک
کرے خود کافر ہے'' (تمہید ایمان صفحہ ۲۸)

اب مقدمہ کی نوعیت یہ ہوئی

کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کے ہم خیال مولویان اہل بدعت نے اپنے رسالوں اور فتووں میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف زور شور سے دعویٰ کیا اور الزام لگایا کہ انہوں نے اللہ و رسول کی شان میں صاف صریح گستاخیاں کی ہیں، بہت سے ضروریات دین کا انکار اور بہت سے کافرانہ عقائد کا اظہار کیا ہے، اس کے باوجود انہوں نے مولانا سید شہیدؒ کے بارہ میں لکھا (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قدرت خداوندی نے ان کے قلموں سے لکھوایا) کہ ہم ان کو کافر نہیں کہتے اور محتاط علماء کو چاہئے کہ وہ بھی ان کی تکفیر نہ کریں، حالانکہ جس شخص کے عقائد و خیالات وہ ہوں جو ان ظالم مولویوں مفتیوں نے اپنے فتووں اور رسالوں میں حضرت شہیدؒ کے لکھے ہیں اس کو کافر نہ کہنے والا آدمی خود کافر ہو جاتا ہے۔"

پس اب مولوی احمد رضا خاں وغیرہ پیشوایان اہل بدعت کے متبعین و معتقدین کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے مقتدا خاں صاحب بریلوی اور ان کے ہم خیال اپنے سارے مولویوں کو اس بنا پر کافر کہیں کہ انہوں نے مولانا شہیدؒ کو اللہ و رسول کی شان میں گستاخیاں کرنے والا اور بہت سے کفریہ عقائد رکھنے والا جاننے اور ماننے کے باوجود ان کو کافر کہنے سے انکار کیا اور دوسروں کو بھی ان کی تکفیر سے منع کیا۔

اور دوسرا راستہ ان لوگوں کیلئے یہ ہے کہ وہ اقرار کریں کہ ہمارے ان مولویوں (مولوی احمد رضا خاں صاحب وغیرہ) نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر خدا اور رسول کی توہین

وغیرہ کے جو الزامات لگائے اور جو کافرانہ عقائد و مضامین ان کی طرف منسوب کیے ہیں یہ سب دیدہ و دانستہ ان کی افترا پردازی تھی، ورنہ فی الحقیقت وہ ان کو ان الزامات سے بری اور سچا مسلمان سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے کفر کا فتویٰ نہیں دیا اور دوسروں کو بھی تکفیر سے منع کیا، ظاہر ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب وغیرہ کے ماننے والوں کیلئے ان دو راستوں کے سوا کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے، اب وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ وہ مولانا شہیدؒ کے بارہ میں مولوی احمد رضا خاں وغیرہ کے الزاموں اور بہتانوں کو صحیح مان کر مولانا شہیدؒ کو کافر اور ان کو کافر نہ کہنے کی وجہ سے خود مولوی احمد رضا خاں کو بھی کافر کہنا بہتر سمجھتے ہیں یا ہماری طرح مولانا شہیدؒ کو سچا مسلمان مان کر مولوی احمد رضا خاں وغیرہ کو اپنے الزاموں اور بہتانوں میں صرف جھوٹا اور مفتری ماننا آسان سمجھتے ہیں۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں وکار آساں کن

ہمارے نزدیک تو یہ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت اور ان کے ظالم دشمنوں سے خداوندی انتقام ہے کہ ان پر کافرانہ عقائد اور اللہ و رسول کی شان میں گستاخیوں کی تہمت لگانے والے ایسی دلدل میں پھنس گئے کہ ان کے لئے اس کے سوا اب کوئی راستہ نہیں رہا کہ یا تو وہ کفر کے اس طوق کو خود اپنے گلوں میں ڈالیں جو انہوں نے حضرت شہیدؒ کے لئے تیار کیا تھا اور اپنے کو اقراری کافر مانیں اور یا اپنے جھوٹے اور مفتری ہونے کا اقرار کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنے مجرموں کو پکڑتا ہے تو اسی طرح پکڑتا ہے کہ کوئی اس کی پکڑ سے ان کو چھڑا نہیں سکتا۔ وکفی اللہ المومنین القتال۔ ❁ ❁

کتاب ہٰذا

(ماخوذ از "دیباچہ")

"........ مشرکانہ خیالات اور جاہلی رسوم و بدعات کی "عالمانہ" حمایت کرنے والے بریلی و بدایوں کے مولوی صاحبان اور ان کے ہمنواؤں کی ان سب چھوٹی بڑی کتابوں کا اگر صرف ایک ایک نسخہ بھی جمع کیا جائے جن میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مجاہد شہید پوتے کو کافر اور دشمن خدا و رسول، دشمن اسلام اور دشمن اولیاء کرام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو بلاشبہ ایک اچھا خاصا کتب خانہ ہو جائے گا۔ حد یہ ہے کہ تنہا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے ان چھوٹے بڑے رسالوں کی تعداد تین سو سے کم نہ ہوگی جن میں شہید مظلومؒ پر تکفیر و تبرا بازی کی مشق کرکے اس فن میں اپنی بے نظیر مہارت اور ناخدا ترسی کا نمونہ دکھایا گیا ہے۔"

"........ اس کتاب میں اہل بدعت کے صرف ان اعتراضات اور افترآت کا جواب دیا گیا ہے اور حضرت شہیدؒ کی صرف ان عبارات کی توضیح کی گئی ہے، جن کے بارے میں یہ محسوس کیا گیا کہ اہل بدعت کی پُر تزویر باتوں سے متاثر ہو کر کوئی سادہ لوح بندہ ان کے بارے میں شبہ اور مغالطہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔"

DESIGNED BY FAISAL WAQAR

PRINTED AT : KAKORI OFFSET PRESS, LKO. PH. : 2629616